ماہنامہ انوارِ مدینہ

جلد : ۱۳	جمادی الاول ۱۴۲۶ھ ۔ جون ۲۰۰۵ء	شمارہ : ۶

سیّد محمود میاں مدیر اعلیٰ	سیّد مسعود میاں نائب مدیر

بدلِ اشتراک	ترسیلِ زر و رابطہ کے لیے
پاکستان فی پرچہ ۱۷ روپے.....سالانہ ۲۰۰ روپے	دفتر ماہنامہ ''انوارِ مدینہ'' جامعہ مدنیہ کریم پارک راوی روڈ لاہور
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، دبئی....سالانہ ۵۰ ریال	فون نمبرات
بھارت، بنگلہ دیش.....سالانہ ۶ امریکی ڈالر	جامعہ مدنیہ جدید : 092 - 42 - 5330311
امریکہ، افریقہ.....سالانہ ۱۶ ڈالر	خانقاہ حامدیہ : 092 - 42 - 5330310
برطانیہ.....سالانہ ۲۰ ڈالر	فون/فیکس : 092 - 42 - 7703662
جامعہ مدنیہ جدید کا ای میل ایڈریس	رہائش ''بیت الحمد'' : 092 - 42 - 7726702
E-mail: jmj786_56@hotmail.com	موبائل : 092- 333 - 4249301

مولانا سیّد رشید میاں صاحب طابع وناشر نے شرکت پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر
دفتر ماہنامہ ''انوارِ مدینہ'' نزد جامعہ مدنیہ کریم پارک راوی روڈ لاہور سے شائع کیا
کمپیوٹر کمپوزنگ و تزئین : محمد صفدر خوشنویس و ڈاکٹر محمد امجد

اس شمارے میں

حرف آغاز		۳
درسِ حدیث	حضرت اقدس مولانا سیّد حامد میاں صاحبؒ	۵
قرآن پاک کا کلامِ الٰہی ہونا	حضرت اقدس مولانا سیّد حامد میاں صاحبؒ	۹
منٰی اور مزدلفہ کا حکم	حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب	۱۷
نبوی لیل ونہار	حضرت مولانا سعد حسن صاحب ٹونکیؒ	۲۸
تحقیق شجرہ چشتیہ نظامیہ گیسودرازیہ	حضرت سیّد نفیس الحسینی شاہ صاحب	۳۱
مفتی عبدالحمید صاحبؒ	قاری غلام مصطفیٰ صاحب قاسمی	۳۶
گلدستۂ احادیث	حضرت مولانا نعیم الدین صاحب	۳۸
اولاد کی اہمیت اور اس کے فضائل	حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ	۴۰
دُعاء کے فضائل	حضرت مولانا مفتی محمد ارشاد صاحب القاسمی	۴۸
امام فخرالدین رازی رحمہ اللہ	محمد عمر فاروق	۵۰
دینی مسائل		۵۵
ایک دلچسپ تفریحی مظاہرہ	محمد عمر فاروق	۵۹
اخبار الجامعہ	محمد خالد عثمان	۶۲

آپ کی مدتِ خریداری ماہ .....ختم ہوگئی ہے، آئندہ رسالہ جاری رکھنے کے لیے مبلغ.....روپے جلد اِرسال فرمائیں۔

نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم امابعد !

گزشتہ دنوں امریکہ کی بدنام زمانہ جیل ''گوانتاناموبے'' میں امریکی فوجیوں کے ہاتھوں قرآن پاک کی بے حرمتی کا افسوسناک واقعہ پیش آیا اور اس واقعہ کو سب سے پہلے منظرِ عام پر لانے والا بھی مغربی پریس ہی ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ عالمی سطح پر ہر طرف سے امریکہ کے خلاف اس موقع پر شدید ردِّ عمل سامنے آتا، اس سے باز پرس کی جاتی، سفارتی تعلقات پر نظر ثانی ہوتی، مسلم ملکوں میں قائم امریکہ کے فوجی اڈے ختم کیے جاتے، تجارتی اشیاء کا استعمال ترک کیا جاتا، مگر اس کے برخلاف صرف عوامی سطح پر معمولی درجہ کا ردِّ عمل سامنے آیا۔ کیا عرب کیا عجم سب پر سناٹا طاری ہے، ایسے مواقع پر ایمانی جذبات کے اظہار میں پاکستانی عوام پیش پیش ہوا کرتے تھے، سیاسی پارٹیاں اپنے باہمی اختلافات کے باوجود اتحاد کا مظاہرہ کرتی تھیں، بالآخر دُشمن سوچنے پر مجبور ہوتا اور کچھ نہ کچھ تلافی کرتا مگر پہلے کی طرح اس بار بھی تہذیب کی دعویدار یونائیٹڈ سٹیٹ آف امریکہ کی طرف سے اِس غیر مہذب حرکت پر تا حال کسی قسم کا اظہارِ ندامت سامنے نہیں آیا۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلامی شعائر کی بے حرمتی کفر کے خمیر میں ازل سے رچی بسی ہوئی ہے کیونکہ ''کفر'' کے معنی و مطلب میں ''انکار'' کا مفہوم داخل ہے۔ ''کفر'' سے اگر ''انکار'' کے مفہوم کو جدا کر دیا جائے تو وہ کفر ہی نہیں رہتا بلکہ ''اقرار'' بن جاتا ہے، تو گویا اسلام کا دوسرا نام ''اقرار'' اور کفر کا دوسرا نام ''انکار'' ہوا، تو جس مذہب کی بنیاد ہی منفی رجحانات پر قائم ہو اُس سے کسی مثبت اور شائستہ رویہ کی توقع کرنا خود فریبی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

اسلام جہاں وحدانیت اور رسالت کا درس دیتا ہے وہاں دوسری طرف تمام آسمانی کتابوں پر ایمان لانے کو

بھی ضروری قرار دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر مسلمان جس طرح قرآن پاک کی تعظیم کرتا ہے اسی طرح تورات زبور انجیل اور تمام آسمانی صحیفوں کا بھی احترام کرتا ہے اگرچہ ان کے احکامات اللہ ہی کے حکم سے اب منسوخ ہو چکے ہیں مگر چونکہ وہ اللہ کی طرف سے نازل کردہ کتب تھیں اس لیے وہ ہمیشہ قابلِ احترام رہیں گی۔ جس طرح قرآن کے انکار سے کفر لازم آتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی دیگر کتابوں کے انکار سے بھی کفر لازم آجاتا ہے۔ اسلام دونوں کو ایک نظر سے دیکھتا ہے۔ اسلام کا یہ اصول اس بات کی واضح علامت ہے کہ یہی آخری اور سچا مذہب ہے باقی سب مذہب ختم ہو چکے ہیں، مگر یہود و نصاریٰ اسلام کے ساتھ اپنے بغض و عناد کی وجہ سے ہمیشہ اِس کی حقانیت کے منکر رہے اور یہی تنگ نظری ہمیشہ سے اُن کو اسلامی شعائر کی توہین پر اُبھارتی رہتی ہے مگر جب تک مسلمانوں میں اسلامی غیرت بیدار رہی اُن کو برملا اِس کی جرأت نہ ہوتی تھی، بس خفیہ سازشوں کے ذریعہ اسلام کو نقصان پہنچاتے رہے۔ مگر اب جبکہ مسلمانانِ عالم غفلت کی نیند سو رہے ہیں اور ایمانی جذبہ اُن سے چھن چکا ہے تو کفر کا ڈنکا ہر طرف بلا خوف بجنے لگا، اسلام کا مذاق سرِ عام اُڑنے لگا اور تجاہل سے کام لیتے ہوئے پوری منصوبہ بندی سے یہ سب کچھ عمل میں لایا جا رہا ہے اور مسلمانوں کی جانب سے اِس پر ہونے والے ردِّ عمل کو پوری طرح تولا جا رہا ہے تاکہ مستقبل میں اسلام کے خلاف عالمی سطح پر کیے جانے والے اگلے اقدامات کو جلد از جلد عملی جامہ پہنایا جا سکے۔

۲۷ مئی بروز جمعہ پاکستان کی مذہبی جماعتوں کے مطالبہ پر ملک بھر میں احتجاجی مظاہرہ ہوئے جس میں مذہبی طبقہ نے بڑی گرم جوشی سے حصہ لیا۔ مگر دوسری سیاسی جماعتوں اور پاکستان کے عام شہریوں نے سرد مہری کا مظاہرہ کیا۔ کیا یہ سیاسی جماعتیں اور پاکستان کے شہری اور حکمران طبقہ مسلمان نہیں ہے؟ کیا یہ قرآن پر ایمان نہیں رکھتے؟ جبکہ اس موقع پر ایمانی تقاضہ یہ تھا کہ انتہائی شدید ردِّ عمل سامنے آتا اور کفر کے خلاف اعلانِ جہاد کیا جاتا۔ اب بھی وقت ہے کہ مسلم عوام اور ان کے غافل حکمران سنبھل جائیں اور کفر کے خلاف کمر بستہ ہو جائیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ کل قیامت کے دن قرآن اِن حکمرانوں کے خلاف دعویدار ہو جائے، اور قرآن جس کے خلاف دعویدار ہو گیا تو اُس کو کہیں نجات کی جگہ نہیں ملے گی۔ اللہ تعالیٰ مسلمانانِ عالم کو کفر کی سازشوں کے سمجھنے اور اُن سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

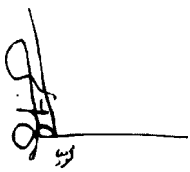

مولای صل وسلم دائما ابدا علی حبیبک خیر الخلق کلهم

درس حدیث

حضرت اقدس پیرومرشد مولانا سید حامد میاں صاحبؒ کے مجلسِ ذکر کے بعد درسِ حدیث کا سلسلہ وار بیان ''خانقاہ حامدیہ چشتیہ'' رائیونڈ روڈ لاہور کے زیرِ انتظام ماہنامہ ''انوارِ مدینہ'' کے ذریعہ ہر ماہ حضرت اقدسؒ کے مریدین اور عام مسلمانوں تک باقاعدہ پہنچایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت اقدسؒ کے اِس فیض کو تا قیامت جاری و مقبول فرمائے۔ (آمین)

استغفار کا تعلق دل سے ہے ۔ ہر کوئی اللہ کا محتاج ہے

انبیاء کرام علیہم السلام بھی استغفار کرتے تھے

تخریج و تزئین : مولانا سیّد محمود میاں صاحب

کیسٹ نمبر ۴۶ سائیڈ بی (۱۹۸۵-۵-۳)

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلٰوۃ والسلام علی خیر خلقه سیّدنا ومولانا محمد وآلہٖ واصحابہٖ اجمعین امابعد !

آقائے نامدار ﷺ نے ہمیں نیکیوں کے راستے بتلائے، اللہ تعالیٰ کی رحمت کے حصول کے طریقے بتلائے، گناہوں کی معافی کن الفاظ سے ہو اور کون سے کلمات کہے جائیں گناہ کی معافی کے لیے، وہ کلمات بھی تلقین فرمائے۔ یہ جو شعبان کی ۱۴، ۱۵ کی درمیانی شب ہے اور اسی طرح اور اوقات ہیں وہ اوقات بتلائے کہ یہ وقت ہے۔ ایسے ہی مقامات بتلائے کہ فلاں فلاں مقامات ایسے ہیں جہاں دُعا قبول ہوتی ہے۔

سرورِ کائنات علیہ الصلٰوۃ والسلام نے استغفار کی فضیلت میں ارشاد فرمایا کہ وَاللّٰهِ اِنِّیْ لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَ اَتُوْبُ اِلَیْهِ فِی الْیَوْمِ اَکْثَرَ مِنْ سَبْعِیْنَ مَرَّةً [۱] خدا کی قسم میں اللہ تعالیٰ سے استغفار اور توبہ دن میں ستر سے بھی زیادہ مرتبہ کرتا ہوں۔ خود اپنا عمل ارشاد فرمایا۔

---

[۱] مشکوٰۃ شریف ص ۲۰۳ ج ۱

استغفار کا مطلب :

اس میں مجھے ایک بات کا خیال آتا ہے کہ استغفار کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے بندہ یہ چاہے کہ وہ ڈھانپ لے۔ تو استغفر اللہ کا مطلب ہوا اللہ تعالیٰ سے میں چاہتا ہوں کہ وہ ڈھانپ لے، اب گناہ گار آدمی ہے تو اُس کی طلب یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ اُس کے گناہوں کو اپنی رحمت سے معاف فرمادے، گناہوں کا پردہ بھی رکھے دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اور مغفرت کے معنی بھی یہی ہیں کہ ڈھانپ لینا یا بخشش فرمادینا۔ کہا جاتا ہے ''خدا اُن کی مغفرت فرمائے'' مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ اُن کو معاف کرے اور اُن کو رحمت میں ڈھانپے۔ تو آقائے نامدار ﷺ تو معصوم تھے، آپ سے تو کوئی گناہ نہیں ہوا۔ گناہوں سے اللہ نے بچائے رکھا تھا۔

نبی علیہ السلام کی استغفار کا مطلب :

تو آپ ﷺ کے استغفار فرمانے کا مطلب کیا ہے؟ آپ ﷺ کے استغفار فرمانے کا مطلب یہ ہوا کہ تلقین کرنی ہوئی، اُمت کو سکھانا ہوا کہ تم خدا کی طرف رجوع کرتے رہو۔ خدا سے اُس کی رحمت طلب کرتے رہو، معافی طلب کرتے رہو۔ یہ چاہتے رہو کہ وہ تمہیں اپنی رحمت میں ڈھانپے رکھے اور دُنیا میں بھی اِس سے فائدہ ہے اور آخرت میں تو ہے ہی۔

رحمت کے اثرات :

تو جب اللہ تعالیٰ رحمت کی نظر کسی پر فرمالیتے ہیں تو پھر اُس کو آگے کو نیکی ہی کی توفیق ہوتی ہے، برائی سے وہ بچا رہتا ہے۔ یہ اللہ کی طرف سے ایسا انتظام ہوجاتا ہے اُس کے لیے کہ نیکی کی قوت بڑھادی جاتی ہے، بُرائی کی قوت مغلوب کردی جاتی ہے۔ تو سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام جو استغفار فرماتے تھے تو اُس کا ایک مطلب یہ بھی ہوا کہ آپ ﷺ گویا یہ چاہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں ڈھانپے رکھے اور یہ طلب سارے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کرتے تھے۔

ہر کوئی اللہ کا محتاج ہے :

اللہ سے مستغنی ہونے کا کسی نے بھی اظہار نہیں کیا، حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام جب بیماری سے شفایاب ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے اُن کی تمام چیزیں ٹھیک کردیں، اُن کی زمین کی پیداوار بھی ٹھیک ہوگئی، آمدنی بھی

ٹھیک ہوگئی، صحت بھی ٹھیک ہوگئی اور جب وہ ایک دفعہ غسل فرما رہے تھے تو ٹڈیاں آ کر گریں سونے کی، وہ اکٹھی کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اَلَمْ اَکُنْ اَغْنَیْتُکَ عَمَّا تَرٰی یہ جو کچھ دیکھ رہے ہو، یہ ٹڈیاں گر رہی ہیں سونے کی ہیں، میں نے تمہیں اتنا دے رکھا ہے کہ اِن ٹڈیوں کا کوئی تمہیں خیال ہی نہیں ہونا چاہیے۔ انھوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ لَا غِنٰی بِی عَنْ بَرَکَتِکَ تیری برکت سے میں کبھی بھی مستغنی نہیں ہوسکتا یعنی تیری طرف سے جو رحمت اور برکت نازل ہو اُس کا تو میں ہمیشہ ہی محتاج رہوں گا۔

سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اِلَّا اَنْ یَّتَغَمَّدَنِیَ اللّٰہُ بِرَحْمَتِہٖ اللہ تعالیٰ کی گرفت سے، سوال سے، حساب سے، عذاب سے کوئی بھی نہیں بچے گا سوائے اُس کے کہ جسے خدا اپنی رحمت میں ڈھانپ لے۔ تو آقائے نامدار ﷺ سے صحابہ کرامؓ نے عرض کیا وَلَا اَنْتَ جناب بھی؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں اِلَّا اَنْ یَّتَغَمَّدَنِیَ اللّٰہُ بِرَحْمَتِہٖ تو اصل میں خدا کا بندہ ہونے میں خدا کی مخلوق ہونے میں سب برابر ہو جاتے ہیں اور خدا خالق ہونے کے اعتبار سے، غنی ہونے کے اعتبار سے، قادر ہونے کے اعتبار سے، اور تمام اپنی صفات کے اعتبار سے، سب کے لیے ڈر اور عظمت والی ذات ہے اور اب ہی نہیں بلکہ قیامت میں بھی ڈریں گے جب دیکھ لیں گے کہ ہمیں نجات ہو چکی پھر بھی ڈریں گے۔ اور وہ حدیث آتی ہے شفاعتِ کبریٰ کی، حضرت آدم علیہ السلام کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے غضب کا اِس وقت ظہور ہو رہا ہے میں نہیں بات کرسکتا، نوح کے پاس جاؤ۔ نوح علیہ السلام آگے بھیج دیں گے ابراہیم علیہ السلام کے پاس، وہ خلیل اللہ ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی یہی جواب دیں گے۔ اور ہر آدمی نفسی نفسی کہے گا ہر نبی یہ کہے گا کہ مجھے اپنی ذات کی فکر ہے، تو اللہ تعالیٰ کی ذات پاک تو غَنِیٌّ عَنِ الْعَالَمِیْن ہے، سب سے بے نیاز، لہٰذا سب ڈرتے ہیں۔ تو سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی فرماتے ہیں کہ اِلَّا اَنْ یَّتَغَمَّدَنِیَ اللّٰہُ بِرَحْمَتِہٖ اب یہ حال دُنیا ہی میں نہیں بلکہ قیامت کا بھی بتایا گیا کہ اُس میدان میں بھی یہ ہوگا حال، تو اللہ تعالیٰ کے غضب سے تو سب ہی ڈرتے ہیں۔ تو مغفرت کی طلب جو ہے وہ بھی اسی لیے ہے کہ تو اپنی رحمت میں ڈھانپے رکھ، غضب کا سامنا ہی نہ ہو، نظر بھی نہ پڑے۔ تو آپ ﷺ نے ایک اپنا عمل بتلایا کہ میں ستر سے بھی زیادہ دفعہ استغفار کرتا ہوں۔

استغفار کی ایک اور وجہ :

اور ایک وجہ اس کی اور بھی آتی ہے حدیث شریف میں، وہ یہ کہ لوگوں سے اختلاط یعنی ملنا جلنا، جو اِس کا

اثر صاف دل پر پڑتا ہے تو سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک اور روایت میں ارشاد فرمایا کہ اَنَّهٗ لَيُغَانُ عَلٰى قَلْبِيْ میرے دل پر غین جیسے آتا ہے دُھن جیسی آجاتی ہے تو میں پھر سو دفعہ استغفار کرتا ہوں اور استغفار کی حقیقت یہ ہے کہ انسان اپنے گناہوں کا اعتراف کرے کہ میں نے گناہ کیے ہیں، اگر کوئی کہے کہ میں نے کیے ہی نہیں گناہ، تو غلط کہتا ہے۔

کوئی گناہوں سے بچا ہوا نہیں :

کوئی گناہوں سے بچا ہوا نہیں ہے بلکہ یہ علامت ہے اس بات کی کہ اس کی آنکھیں کمزور ہیں، اُسے نظر ہی نہیں آرہا بالکل، حالانکہ گناہ تو لازماً ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ نظر ڈالے اور غور کرے۔

استغفار کا طریقہ :

تو پھر انسان کو چاہیے کہ آئندہ نہ کرنے کا ارادہ کرے، پہلے تو گناہ کو گناہ کا کام سمجھے پھر اُس سے معافی چاہے، آئندہ نہ کرنے کا ارادہ کرکے، تو یہ استغفار ہوا۔ اور استغفار کے کلمات کا ادا کرتے رہنا بے خیالی میں کہ آدمی کو خیال بھی نہیں کہ میں کیا کہہ رہا ہوں بس تسبیح پڑھے جارہا ہے اَسْتَغْفِرُ اللّٰہ ، اَسْتَغْفِرُ اللّٰہ اتنا جملہ فرض کریں پڑھے جارہا ہے تو پھر یہ ہے کہ اس سے کچھ نہ کچھ فائدہ تو ہوگا۔ فائدہ یہ ہوگا جیسے کہ زبان اس کی ذکر ہی میں لگی ہوئی ہے، اللہ کا نام لینے میں لگی ہوئی ہے لیکن جو حقیقی فائدہ ہے وہ نہیں ہوگا اور اس میں یہ بھی شرط نہیں ہے کہ انسان زبان سے کہے۔

استغفار کا تعلق دل سے ہے :

بلکہ اصل میں تو استغفار ہے ہی دل کا کام، زبان کا نہیں ہے۔ زبان سے تو اُس کی تائید کی جاتی ہے اُس کا اظہار کیا جاتا ہے۔ حقیقتاً جو توبہ ہے یا استغفار ہے اُس کا تعلق قلب سے ہے۔ اور اپنے گناہ انسان کو پیشِ نظر رکھنا چاہیں اور خدا سے استغفار کرتے رہنا چاہیے اور استغفار سنت عمل ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے کرکے دکھلایا ہے اور استغفار اگر بے خیالی میں بھی ہو تو وہ فائدہ تو نہیں ہوگا جو گناہوں سے توبہ کا ہوتا ہے، اتنا فائدہ ضرور ہوگا کہ زبان خدا کے ذکر میں لگی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رضا اور رحمتوں سے نوازے اور ہمارے گناہوں کو معاف فرمائے۔ آمین۔ اختتامی دُعاء.....

۞۞۞

سلسلہ نمبر۱۲

''الحامد ٹرسٹ'' نزد جامعہ مدنیہ جدید رائیونڈ روڈ لاہور کی جانب سے شیخ المشائخ محدثِ کبیر حضرت اقدس مولانا سیّد حامد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعض اہم خطوط اور مضامین کو سلسلہ وار شائع کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے جو تاحال طبع نہیں ہو سکے جبکہ ان کی نوع بنوع خصوصیات اس بات کی متقاضی ہیں کہ افادۂ عام کی خاطر اِن کو شائع کر دیا جائے۔ اسی سلسلہ میں بعض وہ مضامین بھی شائع کیے جائیں گے جو بعض جرائد و اخبارات میں مختلف مواقع پر شائع ہو چکے ہیں تا کہ ایک ہی لڑی میں تمام مضامین مرتب و یکجا محفوظ ہو جائیں۔ (ادارہ)

قرآن پاک کا کلامِ الٰہی ہونا
یہ اللہ کی صفت ہے اور مخلوق نہیں ہے

﴿ نظر ثانی و عنوانات : مولانا سیّد محمود میاں صاحب ﴾

حضرت اقدس رحمہ اللہ کا یہ مضمون آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے

قرآنِ پاک کلامِ الٰہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے جناب محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل فرمایا۔ قرآنِ مجید کے الفاظ کو تعظیماً لفظ نہیں بولتے بلکہ ''نظم'' کہتے ہیں، کیونکہ لفظ کے لغوی معنی ہیں ''پھینکنا'' اور چونکہ انسان آواز کے ذریعہ کلمات کو ایسے خارج کرتا ہے کہ جیسے پھینک رہا ہو، اس لیے کلمات کو الفاظ کہا جانے لگا۔ ''نظم'' کے لغوی معنی ہیں پرونا جیسے موتی پروئے جاتے ہیں اور موتی وغیرہ قابلِ عزت اور قیمتی چیزیں ہیں۔ اس لیے مفسرین کرام نے قرآن پاک کی عبارت کو نظم کہنا پسند کیا ہے اور شعراء بھی اپنے چند اشعار کے مجموعہ کو ''نظم'' کہتے ہیں۔ غرض قرآن پاک کی نظم اور معنی دونوں ہی ''کلام اللہ'' ہیں، دونوں کے مجموعہ کا نام ''قرآن'' ہے۔ اس کی عظمت جاننے کے لیے اللہ تعالیٰ کی صفاتِ مبارکہ کا جاننا ضروری ہے۔ میں کوشش کرتا ہوں کہ سہل زبان میں یہ مضمون پیش کروں واللّٰہ المُستعان .

آپ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسماء حسنیٰ ہیں۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی صفات کے نام ہیں جیسے ایک آدمی میں جب کوئی نمایاں صفت نظر آتی ہے تو اُسے اُس کا نام دے دیا جاتا ہے مثلاً کہتے ہیں ڈاکٹر صاحب،

حافظ صاحب اور کسی آدمی میں یہ دونوں وصف جمع ہو جائیں تو اُسے اُس کا نام ڈاکٹر حافظ ملا کر لیا جانے لگے۔ نام کے ساتھ اُس کے یہ دونوں نمایاں اوصاف ذکر کیے جانے لگیں۔ اسی طرح اللہ تو ذاتِ پاک کا نام ہے اور باقی اس کے اوصاف ہیں۔ اور حق تعالیٰ کی ہر صفت اپنے موقع و محل کے اعتبار سے اپنی جگہ دوسری صفت سے الگ ہے چاہے یہ شبہ ہوتا ہو کہ یہ بظاہر ایک ہی ہیں مثلاً رَحْمٰنْ رَحِیْمْ رَءُوْفْ وَدُوْدْ اللہ پاک کے اسماء صفات ہیں جن کے قریب قریب ایک جیسے معنی نظر آتے ہیں لیکن درحقیقت ہر صفت دوسرے سے جدا ہے جیسے تربوز کا میٹھا ہونا خربوزہ سے آم سے انگور سے کھجور سے اور شہد وغیرہ سے مختلف ہے بلکہ اِن کی تاثیرات تک میں فرق ہے کہ جسمِ انسانی پر جدا جدا اثر مرتب ہوتا ہے حتی کہ شہد کو ڈاکٹر ذیابیطس میں اکثر حالات میں مضر نہیں کہتے حالانکہ وہ تیز میٹھا ہوتا ہے۔ اگر فقط مٹھاس پر نظر رکھی جائے تو بظاہر یہ خیال ہوتا ہے کہ میٹھا ہونے میں اشتراک ہے، اس لیے یہ سب ایک ہی چیز ہوں گے لیکن ایسے کہنے والے کو بے عقل کہا جائے گا۔ اگر کسی کو تربوز کی قاش کھلا کر دریافت کیا جائے اور وہ کہے کہ یہ خربوزہ کی قاش تھی تو آپ یہ کہیں گے کہ نہیں یہ خربوزہ کی قاش نہیں تھی بلکہ تربوز کی قاش تھی۔ آپ نے ایک کے بارے میں نفی تک کر دی حالانکہ وہ میٹھا ہونے میں ایک ہیں۔

بلکہ اس سے بھی زیادہ آگے بڑھ کر آپ تقسیم کرتے ہیں کہ ایک نوع کی چیز میں بھی نفی اور اثبات لاتے ہیں کہ یہ آم سہارنی ہے رٹول نہیں، رٹول ہے ثمر بہشت نہیں، طوطا پری ہے لنگڑا نہیں اور اِن کی قیمتوں کے فرق کو تسلیم کرتے ہیں، وغیرہ۔ اسی طرح باری تعالیٰ کے اسماء صفات سے جو صفات مفہوم ہوتی ہیں اُن میں بھی فرق ہے اور وہ باعتبار مُتَعَلَّقْ کے جدا جدا ہیں، ایک دوسری سے مختلف ہیں اور اللہ تعالیٰ کی صفات کے تابع ہو کر ہی تمام مخلوقات میں اُن کا ظہور ہو رہا ہے اور یہ عجیب الصفات گلدستہ چمن بہار وجود میں آیا ہوا ہے، غرض ہر صفت اپنے اثر و تاثیر کے لحاظ سے جدا ہے حتی کہ ''رحمٰن'' اور ''رحیم'' بھی جس کی تفصیل علماء کرام نے بیان فرمائی ہے۔

اب یہ سمجھئے کہ حق تعالیٰ کی کچھ صفات وجودیہ کہلاتی ہیں اِن ہی کو ''صفاتِ اکرام'' کہا جاتا ہے۔ اور کچھ صفات ''جلالیہ'' اور ''تنزیہیہ'' کہلاتی ہیں، وہ وہ صفات ہیں جن میں حق تعالیٰ کی پاکی، برتری اور عظمت وغیرہ کا ذکر ہو۔ قرآن پاک کی آیت ہے تَبَارَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ اور اسی آیت مبارکہ سے یہ نام لیے گئے ہیں۔

صفاتِ اکرامیہ یعنی وجودیہ سات ہیں: حیات، ارادہ، علم، قدرت، سمع، بصر اور کلام۔ اس سے یہ بات آپ کے سامنے آ گئی کہ کلام اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے۔ جب اس نے اس صفت سے اپنے بندوں کو نوازا تو انہیں زبان دے دی اور گفتگو سکھا دی۔ گفتگو بغیر عقل اور علم کے نہیں ہو سکتی تھی تو وہ بھی بخشا، اور گفتگو دو قسم کی بخشی۔ ایک وہ کہ جو اپنے دل ہی دل میں انسان کرتا ہے اور دوسری وہ جو زبان سے الفاظ کے پیرائے میں ادا کرتا ہے، جو گفتگو دل ہی دل میں کرتا ہے وہ کلامِ نفسی کے مشابہ ہے اور بغیر آواز کے ہی اُس کا مفید وجود ذہن میں سچ مچ ہوتا ہے۔ اس میں بات ہوتی ہے کلام ہوتا ہے حتیٰ کہ بعض دفعہ دل ہی دل میں آواز تک کا انسان فرق کرتا ہے کہ یہ بات میں زور سے کہوں گا یہ آہستہ اور یہ کان میں، لیکن دل کے اندر اِس ساری گفتگو میں کہیں زبان نہیں استعمال ہوتی، گفتگو ہوتی ہے اور بلا زبان ہوتی ہے، آواز ہوتی ہے اور بلا آواز ہوتی ہے، چاہے آپ اِسے دل ہی دل میں باتیں کرنا کہہ دیں، چاہے خیال کہہ دیں، چاہے تفکر اور سوچنا کہہ دیں، چاہے منصوبہ کہہ دیں، مگر اِس کا وجود ایسا ہے کہ ہر شخص جانتا ہے اور اِس سارے عمل میں نہ زبان ہوتی ہے نہ آواز، اسی طرح حق تعالیٰ کا کلام ہے وہ زبان اور آواز سے بے نیاز ہے وہ قادرِ مطلق ہے، وہ اپنے ارادہ و قدرت سے کلام فرشتہ پر ظاہر فرماتا اور وہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم تک لے آتا (علیہ السلام)۔ اس بات کے سمجھنے کے لیے آلاتِ جدیدہ سے بھی مدد لی جا سکتی ہے مگر بحث طویل ہو جائے گی۔

اگر انسان غور کرے تو گویا اُس پر حق تعالیٰ نے صفتِ کلام کی ایک بارش ہی برسا دی ہے۔ پھر اس صفتِ کلام سے نفع اُٹھانے کی وہ راہیں کھول دیں جو اُس کے قرب و رضا کے حصول کا ذریعہ بنیں اور اُسے ان ہی محدود حروف میں اپنا کلام عطا فرمایا جسے ہم ''قرآن کریم'' کہتے ہیں تاکہ یہ اِسے کانوں سے سنے پھر دل دل میں دہرا کر اور زبان سے ادا کر کے قرب و ثواب حاصل کرے۔ اور کانوں سے سننے پر، دل میں یاد کرنے پر، دماغ میں محفوظ رکھنے پر، زبان سے پڑھنے پر، غرض ہر عمل میں جدا جدا ثواب رکھ دیا۔ سننا جدا عمل ہے سمجھنا اور ہے، دل و دماغ میں دہرانا اور ہے، زبان سے پڑھنا اور ہے، اسلیے سب کا ثواب الگ الگ ہے، بالکل اسی طرح جیسے ہر نیکی میں دس طرح کا مشینی عمل ہوتا ہے تو ایک نیکی دس نیکیوں کے برابر رکھ دی گئی ہے، اسی طرح قرآن کریم کے ایک حرف کی ادائیگی کو بھی ایسی نیکی قرار دیا گیا ہے جو دس مرحلوں سے گزر کر وجود میں آئی ہو اور اُسے دس نیکیوں کے برابر فرمایا گیا۔

اب یہ سمجھئے کہ جب ہم تلاوت کرتے ہیں تو جو ہماری زبان سے نکلتا ہے اُسے کلام اللہ کہتے ہیں۔ بالکل ایسے ہی کہ جیسے آپ روزمرہ کی زندگی میں کسی کی بات نقل کرتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ ''بقول اُس کے'' اور ''یہ اس کا مقولہ ہے'' حتیٰ کہ جھگڑتے وقت کہتے ہیں کہ اُس کے الفاظ یہ نہ تھے یہ تھے، اور اُس نے یہ لفظ نہیں استعمال کیا تھا بلکہ یہ لفظ کہا تھا، اور اشعار نقل کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ اقبالؔ کا کلام ہے، یہ اکبرؔ کا کلام ہے، یہ جگرؔ کا کلام ہے، یہ حالیؔ کا کلام ہے، یہ امیر مینائیؔ کا کلام ہے۔ اور جب کلام اقبالؔ سناتے ہوتے ہیں تو یہ جانتے اور تسلیم کرتے ہوتے ہیں کہ آواز اور زبان آپ کی ہے اور کلام اقبالؔ کا ہے۔ ان مثالوں سے آپ بآسانی یہ سمجھ سکیں گے کہ قرآن پاک کلام تو باری تعالیٰ کا ہے اور اُس کا محلِ ظہور آپ کی زبان و آواز ہے۔ محل ادراک آلات دماغیہ ہیں، اور مقر حفظ آپ کا مقرر روح یعنی قلب اور سینہ ہے۔ (نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ اور بَلْ هُوَ اٰيَاتٌۢ بَيِّنَاتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ.). غرض تلاوت کے وقت اِن سب جگہوں پر اللہ تعالیٰ کی صفت کلام کا ظہور ہو رہا ہوتا ہے اور کلام اللہ تعالیٰ ہی کا ہوتا ہے۔ حضرت مجدد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جن لوگوں کو کثرتِ تلاوت کی وجہ سے قرب و نسبت خداوندی حاصل ہوتی ہے وہ بہت مضبوط اور دائمی ہوتی ہے۔

اب یہ بھی سمجھ لیجئے کہ ''کلام اللہ'' اِس حقیقت کے تحت کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، مخلوق نہیں ہے۔ مخلوق وہ چیز ہوتی ہے جو ذات باری تعالیٰ سے جدا ہو۔ اللہ کی صفات اس سے جدا نہیں ہیں وہ مخلوق نہیں ہوسکتیں۔ اس لیے اس کے کلام کو مخلوق بالکل نہیں کہا جاسکتا، ہاں مخلوق جیسے انسان اس کا محل ظہور ہوسکتا ہے اور فرشتہ جیسے جبرئیل علیہ السلام و اسرافیل علیہ السلام اس کو اپنے اندر ضبط کر کے ایک مقام سے نبی کریم علیہ السلام تک پہنچانے والے ہو سکتے ہیں اور الف با تا (یا۔اے۔بی۔سی) اس کے سمجھنے کے تحریری اشارے ہو سکتے ہیں اور اس کلام پر دلالت کرنے والے بن سکتے ہیں اور کوئی بھی مخلوق کلامِ الٰہی کے ظہور کی جگہ ہوسکتی ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے درخت محل ظہورِ کلام اور محلِ نزول وحی بنا دیا گیا تھا جنہوں نے قرآن پاک کو کلام الٰہی کے بجائے کلام رسول کہا، اُن کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا گیا ہے :

فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ۝ اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ۝ سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ .

(پ ۲۹ سُورۂ مدثر)

''تو کہا اور کچھ نہیں یہ جادو ہے چلا آتا، اور کچھ نہیں یہ قول ہے آدمی کا، اب میں اُس کو ڈالوں گا آگ میں''۔

''قرآن کو مخلوق سمجھنے کی غلطی''

عہدِ اسلام میں چار فرقے ضلالت کی جڑ قرار دیئے گئے ہیں اور باقی فرقے اِن ہی میں سے پیدا ہوتے گئے ہیں، وہ یہ ہیں :

" قدریہ " . " رافضہ " . " خوارج " اور " جھمیہ " اور معتزلہ نے مسائل صفات میں جھمیہ ہی سے عقائد اخذ کیے۔

واقعہ یہ ہوا تھا کہ مامون الرشید کے دور میں " بِشْرِ مُرَیْسِیْ " جو فرقہ معتزلہ کا بڑا شیخ تھا، مع اپنے ہم خیالوں کے اس کا مقرب بن گیا، مامون کو علم کا شوق تھا مگر علمی پختگی حاصل نہ تھی، اس کے دور میں ۲۱۸ھ سے یہ فتنہ اُٹھا اور ۲۳۱ھ تک چلتا رہا۔ مامون کے بعد معتصم پھر اُس کا بیٹا واثق سب اِسی باطل خیال کے تھے (حتی کہ متوکل علی اللہ کا زمانہ آیا اور اس کی اصلاح ہوئی)۔

ان لوگوں نے اس فتنہ کو سرکاری سطح پر لا کر بہت بڑھانا چاہا۔ مگر امام احمد بن حنبلؒ وغیرہم اور علماء حق نے سختی سے تردید کی، آپ دو سال چار ماہ قید رہے اور قتل ہوتے ہوتے بچے۔ مامون الرشید کی موت کے بعد معتصم نے انہیں جیل سے لا کر دربار میں پیش کیا تو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن پاک اور احادیث سے استدلال کیا اور ان لوگوں نے منطق اور فلسفہ کی رُو سے بحث کی۔ خدا نے عقل کا استعمال قرآن وحدیث سمجھنے کے لیے دُرست قرار دیا ہے نہ کہ قرآن وحدیث کے مقابلہ کے لیے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ گفتگو میں عمدہ ترین جوابات دیتے رہے اور ان سے مطالبہ فرماتے رہے کہ کوئی دلیل قرآن وحدیث کی لاؤ حتی کہ تنگ آ کر معتصم کے قاضی قضاۃ (چیف جسٹس) احمد بن ابی دؤاد نے کہا کہ تم بس یہی کہتے ہو کہ ''قرآن اور حدیث لاؤ''۔ امام احمدؒ نے فرمایا کہ اسلام بھی تو یہی حکم دیتا ہے (میں نے کیا نئی بات کہہ دی)۔ یہ بات ۲۵ رمضان ۲۲۱ھ کی ہے۔ ان شریر لوگوں نے خلیفہ کو ورغلایا اور اُس نے آپ کے کوڑے لگائے اور آپ کو گھر بھیج دیا۔ کوڑے ایسے لگائے گئے تھے کہ جن سے ان کے جسم کے لوتھڑے جو بے جان ہو گئے تھے کاٹنے پڑے۔ کوڑوں کی کم از کم تعداد تیس ذکر کی گئی ہے۔ شفایاب ہونے کے بعد بھی آپ نے گھر سے باہر مسجد میں جمعہ یا جماعت کے لیے جانا بند کر دیا حتی کہ متوکل کا زمانہ آیا اور یہ فتنہ فرو

ہوا۔اوراس نے اہل حق کی پوری طرح مدد کی،امام احمدؒ کی غایت درجہ اکرام کیااورآپ کی وفات تک ہرخاص وعام کی یہی حالت رہی،ایسے مواقع پرحق تعالیٰ کی طرف سے رُوحانی تائید ہوا کرتی ہے۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ واقعہ دیا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے معتمد ربیع کوایک خط دے کرمصر سے بغدادامام احمدؒ کے پاس بھیجا،صبح کی نماز کے بعدوہ ان سے ملے اورخط پیش کیا،امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اُن سے دریافت کیا کہ کیا آپ نے اس خط کو پڑھا ہے۔ربیع نے جواب دیا کہ نہیں، پھرانہوں نے خود خط پڑھا توان کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ربیع نے دریافت کیا کہ اے ابوعبداللہ اس میں کیا لکھا ہے۔انہوں نے جواب دیا کہ یہ تحریر فرمایا ہے کہ''انہوں نے (امام شافعیؒ نے) جناب رسول اللہ ﷺ کوخواب میں دیکھا: آپ ﷺ نے ارشادفرمایا کہ ابی عبداللہ احمد بن حنبل کولکھواس میں میری طرف سے سلام پہنچادواوراُن سے یہ کہہ دو کہ عنقریب تمہاری آزمائش ہوگی اورخلق قرآن کا قائل کرنے کی کوشش ہوگی، اُن لوگوں کی بات نہ ماننا، اللہ تعالیٰ قیامت تک کے لیے تمہارانشان بلندرکھے گا''۔

ربیع کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے کہا مجھے اس خوشخبری کی مٹھائی دیجئے۔توانہوں نے اپنی وہ قمیص جوان کی جلد سے لگی ہوئی تھی مجھے اُتارکردے دی۔

جب میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس واپس پہنچااورواقعہ سنایاتوانہوں نے فرمایا کہ میں تم سے قمیص تونہیں مانگتا کہ تمہیں دُکھ ہوگالیکن ایسا کروکہ اسے پانی میں ڈبوکرتبرک کے لیے وہ پانی مجھے دے دو۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی طرح اوربھی سب اکابرِدین اپنی اپنی جگہ اس مسئلہ کا اعلان کرتے رہے سمجھاتے رہےاورمناظروں کا جواب دیتے رہےلیکن ان میں سب سے عظیم شخص''احمد بن نصرخزاعی'' ہیں ان کی شہادت کو متوکل کی اصلاح میں دخل ہے۔

احمد بن نصرابن مالک ابن الہیثم الخزاعیؒ:

۲۳۱ھ میں ایک جلیل القدر بزرگ احمد بن نصر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کوشش بھی کی کہ اس فتنہ کو جہاد بالسیف سے ختم کردیا جائے۔احمد رحمہ اللہ علیہ کے دادا مالک اُن مخصوص ترین لوگوں میں سے تھے جنہوں نے قیام سلطنت عباسیہ کے لیے پوری قوت صرف کردی، اِن کے والد نصر کی بھی معروف ترین شخصیت تھی اور بغداد میں سویقہ نصر کے نام سے ایک بازار بھی تھا۔

خود احمد رحمۃ اللہ علیہ کا ائمہ سنت میں شمار ہوتا ہے۔ حماد بن زید، سفیان بن عیینہ اور امام مالک رحمہم اللہ سے احادیث کی تعلیم حاصل کی تھی اور امام علمِ حدیث یحییٰ بن معین ان کے شاگردوں میں ہیں۔ احمد بن نصر رحمہ اللہ نے خلیفہ کے سامنے کھلے دل سے مان لیا تھا کہ میں نے یہ کارروائی اقامتِ سنت کے لیے کرنی چاہی تھی اور خلیفہ واثق نے اِس کا اثر زیادہ نہیں لیا تھا لیکن جب مجلس شاہی میں عقیدہ کے بارے میں سوالات ہوئے تو اُس نے خود اپنے ہاتھ سے ان کو شہید کیا۔ اور عمرو بن معدیکرب کی صمصامہ نامی مشہور تلوار سے وار کیے۔ اس کے بعد ان کا سر مبارک سرِ عام الگ لٹکا دیا گیا اور جسم ایک تنے سے الگ باندھ دیا گیا اور پہرہ بٹھا دیا گیا۔

۲۸ رشعبان ۲۳۱ھ کو ان کا سر مبارک لٹکایا گیا، ۲۳۷ھ کو عید الفطر کے ایک یا دو دن بعد اُتارا گیا، باطل کا عروج اور ظلم اپنی حد کو پہنچ چکا تھا، خدا نے کیا کہ واثق بھی اِن کے شہید کرنے کے بعد چین سے نہ رہا، بیمار رہنے لگا تھا حتی کہ اس واقعہ کے ایک سال چند ماہ بعد ہی خود واثق ۳۶ سال کی عمر میں ۲۳۲ھ کو بعارضہ استسقاء مر گیا۔ اور ۲۴ رذی الحجہ ۲۳۲ھ بروز چہار شنبہ زوال کے وقت متوکل علی اللہ کے ہاتھ پر بیعت کی گئی اور وہ خلیفہ ہوا۔

”خدا کی راہ میں قربانیوں کی قبولیت اور قدرتی طور پر اصلاحِ حال کی ابتداء“

بعض ارکان دولت نے احمد بن نصرؒ کی شہادت کے وقت اور بعد میں عجیب حالات دیکھے تھے۔ ان میں عبد العزیز بن یحییٰ الکنانی بھی ہیں، انہوں نے مناسب موقع پا کر متوکل سے احمد بن نصر رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ایک واقعہ نقل کیا کہ ان کے شہید ہونے کے بعد بھی اِن کے سر کے حصہ سے قرآن پاک کی تلاوت کی آواز ایسی آتی رہی جیسے زبان پڑھتی ہو۔

اس بات کو سن کر متوکل محزون اور خوفزدہ ہوا کہ بھائی نے ایسے امام مقرب بارگاہ کو شہید کر کے غلطی کی، اتنے میں اس کا وزیر محمد بن عبد الملک بن الزیّات آ گیا، اُس سے متوکل نے کہا کہ میرے دل میں احمد بن نصرؒ کے بارے میں تردد ہے۔ اس نے جواباً بیان دیا کہ امیر المؤمنین واثق نے احمد بن نصر کو مسلمان نہیں بلکہ کافر ہونے کی حالت میں مارا تھا۔ اگر یہ حلف غلط ہو تو اپنے بارے میں کہا کہ خدا آگ میں جلائے۔ پھر ثمہ آیا، اُس نے اسی طرح کا حلفیہ اور خود کو بددُعا والا بیان دیا کہ ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے۔ پھر احمد بن ابی دُوَاد آیا، اُس نے بھی اسی طرح کا قسمیہ بیان اور اپنے کو فالج کی بددُعا دی۔

مگر متوکل کے ذہن میں بات بیٹھ چکی تھی اور اُس کی تقویت ہی ہوتی چلی گئی کہ ماہ صفر ۲۳۳ھ میں

ابن الزیّات کو آگ میں ڈال دیا گیا اور اسی طرح اس کی موت واقع ہوئی اور اسی سال اس واقعہ کے تین ماہ بعد احمد بن ابی دُوَاد کو فالج ہو گیا اور سات سال اسی طرح وہ درسِ عبرت بنا رہا۔

کچھ ہی عرصہ بعد ھرثمہ مفرور ہو گیا اس کا کہیں قبیلۂ خزاعہ سے گزر ہوا، ایک شخص نے اِسے پہچان لیا اور اہلِ قبیلہ سے کہا کہ یہ تمہارے ابن عم احمد بن نصر خزاعیؒ کا قاتل ہے۔ انہوں نے اسے اس طرح قتل کیا کہ اس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ متوکل بعد میں ان تینوں کی جھوٹی قسم اور اُن پر خدائی عتاب کا ذکر کرنے لگا حتی کہ ۲۳۷ھ میں اس کی اصلاح ہو گئی اور یہ فتنہ بحمد اللہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔ متوکل نے ۲۳۷ھ میں عید الفطر کے پہلے یا دوسرے دن احمد بن نصر رحمۃ اللہ علیہ کا سر مبارک اُتروایا، سولی سے جُثہ مبارک اُتارا گیا جسے ورثہ کے حوالے کر دیا گیا۔ انہوں نے (سر اور جسم مبارک کو) ملا کر مقبرہ مالکیہ میں دفن کیا، جنازہ پر لوگوں کا زبردست ہجوم ہو گیا اور لوگ خوشی سے بے برداشت ہو گئے۔ اس فتنہ کے آغاز سے تمام دُنیا کے ائمہ حدیث فقہاء اور متکلمین نے اس مسئلہ کو تحریراً وضاحت سے بیان کرنا شعار بنا لیا جو آج تک پڑھا پڑھایا جاتا ہے اور پھر یہ مسئلہ کبھی نہیں اُٹھا۔ **والحمد للّٰہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللّٰہ .**

آخر میں قرآن کریم کی یہ فضیلت بیان کرنی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ اسے بغیر سمجھے ہوئے پڑھنے میں ثواب ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، کہ الم پر ثواب ملتا ہے حالانکہ آپ جانتے ہیں کہ ان حروف کا ترجمہ رسول اللہ ﷺ نے نہیں بتلایا نہ ہی کسی کو معلوم ہے۔ اندازہ لگانا اور اشارات کے نکات پیدا کرنا الگ بات ہے۔ ترجمہ یا تفسیر کا کوئی عالم بھی مدعی نہیں ہے مگر اِن حروف مقطعات ہی کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا کہ ''میں یہ نہیں کہتا کہ الٓمٓ ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے لام اور حرف ہے میم اور حرف ہے''۔ اور فرمایا کہ ہر حرف پر دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے۔ اس لیے قرآن پاک کی تلاوت کی طرف بھی ضرور توجہ کرنی چاہیے، جو مرد عورتیں اور بچے سمجھ نہیں پاتے اور پڑھ سکتے ہیں وہ جب تک اس خیال سے کہ یہ خدا کا کلام ہے پڑھتے یا سنتے رہیں گے انہیں برابر ثواب ملتا رہے گا چاہے ترجمہ سمجھ میں آتا ہو یا نہ آتا ہو۔

واٰخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین .

منٰی اور مزدلفہ کا مکہ مکرمہ کے ساتھ تعلق اور اُن کا حکم

﴿ حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب ﴾

منٰی اور مزدلفہ کا مکہ مکرمہ کے ساتھ تعلق :

مکہ مکرمہ کے مرکزی حصہ یعنی مسجد حرام و ماحولہ کے بالمقابل مشرق میں پہلے منٰی کا میدان واقع ہے، پھر

منٰی کے تقریباً متصل جنوب مشرق میں مُزدلفہ کا میدان ہے۔ مزدلفہ کی حدود ختم ہونے کے بعد تقریباً چار کلومیٹر کے فاصلہ پر مزید جنوب مشرق میں عرفات کا میدان شروع ہوتا ہے۔ چار کلومیٹر کا یہ درمیانی فاصلہ بھی بے آباد اور ویران ہے۔ عرفات سے آگے مشرق، شمال اور جنوب میں جنگل بیابان ہے، کوئی آبادی نہیں ہے۔

مکہ مکرمہ کی آبادی کا پھیلاؤ شمال مشرق اور جنوب مشرق کی طرف ہوا ہے۔ شمال میں منٰی سے اِس کا فاصلہ تقریباً ڈھائی کلومیٹر اور مزدلفہ سے ساڑھے چار کلومیٹر ہے، البتہ جنوب کی جانب ایک جگہ پر اِس آبادی کا اِتصال منٰی کے ساتھ ہوگیا ہے اور ایک جگہ پر مزدلفہ کے ساتھ ہوگیا ہے۔ جنوب میں منٰی کے متوازی ''حی عزیزیہ'' کی آبادی چلتی ہے اور درمیان میں صرف ایک پہاڑی سلسلہ ہے۔

منٰی اور مزدلفہ کی موجودہ کیفیت :

مزدلفہ تو فقط ایک ویران میدان ہے جس کی شرعی حدود میں کوئی آبادی نہیں ہے بلکہ اِس میں کوئی سرکاری دفتر بھی نہیں ہے۔ منٰی بھی اب کوئی آبادی کی جگہ نہیں ہے البتہ اس میں رابطہ عالم اسلامی کا دفتر اور ایک دواور دفتر ہیں۔ اسی طرح منٰی میں ایک جنرل ہسپتال (مستشفٰی عام) ہے جس کے بارے میں بعض حضرات کا دعوٰی ہے کہ وہ مکہ مکرمہ کے لوگوں کی خاطر پورا سال کھلا رہتا ہے، واللہ اعلم۔

کیا منٰی اور مزدلفہ مکہ مکرمہ شہر میں داخل ہیں؟ :

مزدلفہ تو ہمیشہ سے بیابان رہا ہے البتہ منٰی میں کسی وقت میں گاؤں کے برابر آبادی رہی ہے اور وہ گاؤں شمار ہوتا رہا ہے۔

الا ان محمدا یقول ان منٰی لیس بمصر جامع بل ھو قریة فلا تجوز الجمعة بھا کما لا تجوز بعرفات وھما یقولان انھا تتمصر فی ایام الموسم (بدائع الصنائع ص ۵۸۵ و ص ۵۸۶ ج ۱)

'' مگر یہ کہ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ منٰی مصر جامع نہیں ہے بلکہ وہ گاؤں ہے لہٰذا اِس میں جمعہ جائز نہیں ہے جیسا کہ عرفات میں جائز نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایامِ حج میں یہ مصر بن جاتا ہے''۔

وقال محمد لا تجوز فیھا (الجمعة) لانھا من القری حتی لا یعیّد بھا.

ولهما انها تتمصر فی ایام الموسم ..... وبمنی ابنیة ودور وسكك.(تبیین الحقائق ص۲۱۸ ج۱)

''امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ منٰی میں جمعہ جائز نہیں ہے کیونکہ وہ گاؤں ہے حتی کہ اس میں عید کی نماز بھی نہیں پڑھی جاتی۔امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ ایامِ حج میں منٰی مصر بن جاتا ہے.....اور منٰی میں عمارتیں اور محلے اور گلیاں ہیں''۔

لیکن اب منٰی آبادی سے بالکل خالی ہے،اس میں نہ مکان ہیں نہ گلی محلے ہیں اور نہ ہی آبادی ہے۔اس لیے مکہ مکرمہ کی آبادی کے اِس کے ساتھ اتصال سے دو جدا جدا آبادیوں کا متصل ہو کر ایک آبادی ہونے کا وجود نہیں ہوا،اور اِس وجہ سے منٰی اور مزدلفہ مکہ مکرمہ شہر میں داخل اور اس کے محلے نہیں ہیں۔

کیا منٰی اور مزدلفہ کو مکہ مکرمہ کے فناء میں شمار کر سکتے ہیں؟ :

اس کے جواب کے لیے پہلے شہر کے فناء کی حقیقت کو سمجھنا ہوگا۔''فناء''شہر سے باہر کی اُس جگہ کو کہتے ہیں جو شہر کے مصالح کے لیے مقرر کی گئی ہو جیسا کہ ردالمحتار میں ہے''**المعد لمصالح المصر**''.

لیکن مصالح سے مراد مطلق کسی بھی قسم کا فائدہ نہیں ہے بلکہ حاجتیں اور ضرورتیں ہیں۔

لانها بمنزلته فی حق حوائج اهل المصر لانها معدة لحوائجهم (تبیین الحقائق ص ۲۱۸ج۱)

''شہر والوں کی ضروریات کے اعتبار سے شہر کا فناء بھی شہر کی طرح ہوتا ہے کیونکہ وہ اُن کی ضرورتوں ہی کے لیے مقرر ہوتا ہے''۔

قد نص الائمة علی ان الفناء ما اعد لدفن الموتی وحوائج المعركة كركض الخیل وجمع العساكر والخروج للرمی وغیر ذالك.(منحة الخالق علی البحر الرائق ص ۱۴۱ج۱)

''ائمہ نے تصریح کی ہے کہ شہر کا فناء وہ علاقہ ہوتا ہے جو مُردوں کو دفن کرنے کے لیے اور معرکہ کی ضرورتوں کے لیے مثلاً گھوڑے سُدھانے کے لیے اور لشکروں کو جمع کرنے کے لیے اور تیراندازی وغیرہ سیکھنے کے لیے مقرر ہو''۔

فناء المصر انما الحق به فیما کان من حوائج اهله والجمعة وصلاة العیدین من حوائج اهله وقصر الصلاة لیس منها.(البنایة فی شرح الهدایة ص ۲۵۴ج۳)

شہر والوں کی ضرورتوں کے اعتبار سے شہر کا فناء بھی شہر کے ساتھ ملحق ہوتا ہے، اور جمعہ کی نماز اور عیدین کی نمازیں شہر والوں کی ضروریات میں داخل ہیں، اور نماز کو قصر کرنا شہر والوں کی ضروریات میں داخل نہیں ہے۔''

غرض فناء شہر سے باہر کی وہ جگہ ہے جو شہر والوں کی ضرورتوں اور حاجتوں کے لیے مقرر ہو محض سہولت یا آسائش کے کاموں کے لیے نہیں۔

مذکورہ بالا تفصیل معلوم ہونے سے ظاہر ہوا کہ منٰی اور مزدلفہ دونوں ہی مکہ مکرمہ کے فناء میں بھی داخل نہیں کیونکہ مزدلفہ کے ساتھ تو اہلِ شہر کی عملاً کوئی ضرورت وابستہ نہیں ہے، البتہ منٰی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ مکہ مکرمہ کے لوگ چھٹی کے دنوں میں رات کے وقت وہاں پکنک منانے جاتے ہیں لیکن پکنک منانا حوائج اور ضروریات میں سے نہیں ہے بلکہ محض آسائش وسہولیات میں سے ہے۔ رد المحتار کی یہ عبارت کہ **بخلاف البساتین ولو متصلة بالبناء لانها لیست من البلدة ولو سکنها اهل البلدة فی جمیع السنة او بعضها** (باغات اگرچہ شہر کی عمارتوں کے ساتھ متصل ہوں پھر بھی وہ شہر کا حصہ نہیں ہیں اگرچہ شہر والے پورے سال یا سال کے کچھ حصہ میں اُن میں رہتے ہوں)۔ اس بارے میں صریح ہے کہ شہر سے متصل باغوں میں اہلِ شہر جا کر پکنک منائیں یا بسیرا کریں تب بھی وہ فناء میں شامل نہیں ہوتے۔

منٰی میں موجود جنرل ہسپتال کے بارے میں اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ مکہ مکرمہ کے لوگ پورے سال اِس سے فائدہ اُٹھاتے ہیں تب بھی مندرجہ ذیل وجوہ سے منٰی فناء نہیں بنتا :

۱۔ محض ایک عمارت سے پورے منٰی کو فناء قرار نہیں دیا جا سکتا۔

۲۔ یہ کوئی ایسی ضرورت نہیں جس کے لیے شہر کے اندرونی علاقوں کو چھوڑ کر بیرونی علاقوں کی ضرورت ہو۔ شہر کے اندر اور بہت سے ہسپتالوں کے ہوتے ہوئے مکہ مکرمہ کی آبادی کا منٰی کے ہسپتال سے فائدہ اُٹھانا اُن کے اعتبار سے سہولت ہے، حاجت وضرورت نہیں۔

شہر کے لیے خود فناء کا ہونا ضروری نہیں :

مااعدلحوائج اھلہ (جو جگہ شہر والوں کی ضرورتوں کے لیے مقرر ہو) کے مفہوم مخالف سے نکلا کہ اگر حوائج کے لیے جگہ مقرر نہ کی گئی تو فناء بھی نہ ہوگا۔

''منٰی'' اور ''مزدلفہ'' کو مکہ مکرمہ کا محلّہ یا فناء کہنے والوں کے دلائل اور اُن کے جواب

پہلی دلیل :

جامعہ اشرفیہ کے مفتی شیر محمد صاحب اپنے فتوے میں لکھتے ہیں :

''اب صورت حال یہ ہے کہ مکہ مکرمہ کی آبادی منٰی سے بھی متجاوز ہو چکی ہے اور منٰی مکہ مکرمہ کا ایک محلّہ ہے''۔ (مؤرخہ ذوالحجہ ۱۴۲۰ھ)

اس عبارت کا ظاہر مطلب یہ ہے کہ مکہ مکرمہ کی آبادی بڑھتے بڑھتے منٰی کے اندر پہنچی بلکہ پھر منٰی سے بھی آگے نکل گئی ہے اور جیسے مکہ مکرمہ کے دیگر آباد محلے ہیں اِسی طرح منٰی بھی مکہ مکرمہ کا محلّہ بن گیا ہے۔ یہ بات حقیقت کے خلاف ہے کیونکہ منٰی میں سرے سے آبادی اور مکانات نہیں ہیں جبکہ محلّہ اُس جگہ کو کہتے ہیں جس میں مکانات اور گلیاں ہوں۔

مدرسہ شاہی مراد آباد کے مفتی شبیر احمد قاسمی صاحب نے بھی مفتی شیر محمد صاحب والی بات ہی کچھ مختلف انداز میں کہی ہے، وہ لکھتے ہیں :

''منٰی کی آبادی صدیوں تک مکہ مکرمہ کی آبادی سے بالکل الگ رہی ہے اور دونوں کے درمیان صدیوں تک ویران میدان اور پہاڑوں کا فاصلہ رہا ہے جن میں کسی قسم کی آبادی اور عمارت نہیں تھی اِس لیے مکہ اور منٰی کے درمیان مسلسل آبادی نہ ہونے کی وجہ سے دونوں کو مستقل طور پر الگ الگ آبادی قرار دیا گیا تھا جیسا کہ ماضی کے تمام فقہاء نے تسلسل آبادی نہ ہونے کی وجہ سے دونوں کو الگ الگ آبادی قرار دیا تھا۔ اور اب ادھر ماضی قریب میں منٰی اور مکہ کے درمیان تسلسل آبادی کی وجہ سے دونوں کے درمیان کسی قسم کا انفعال باقی نہیں رہا بلکہ متصل ہو کر ایک ہی آبادی جیسی ہو گئی ہے''۔ (انوارِ رحمت ص ۷۲)

مفتی شبیر احمد قاسمی صاحب کی یہ بات حقیقت کے بالکل برعکس ہے۔ ماضی بعید میں منٰی میں آبادی ہونا تو تسلیم ہے لیکن موجودہ دور میں تو منٰی میں سرے سے آبادی ہے ہی نہیں جو تسلسل کے باعث مکہ مکرمہ کی آبادی سے متصل ہو سکے۔

دوسری دلیل :

جامعہ اشرفیہ کے مفتی شیر محمد صاحب اپنے فتوے مؤرخہ ذوالحجہ ۱۴۲۰ھ میں لکھتے ہیں :

'' منٰی اور مکہ مکرمہ کی بلدیہ ایک ہے۔'' (رسالہ ندائے شاہی، دسمبر ۲۰۰۴ء ص ۵۳)

ہم کہتے ہیں کہ بلدیہ تو ایک انتظامی ادارہ ہے جس کے ذمہ علاقہ کی دیکھ بھال اور صفائی ستھرائی ہوتی ہے۔ ایک ادارہ کو محض انتظامی طور پر شہر سے باہر کا صحرا اور جنگل بھی دیکھ بھال کے لیے دے دیا جائے تو اِس سے اُس صحرا اور جنگل کی شرعی حقیقت نہیں بدلتی اور یوں شرعی حکم میں بھی کچھ تبدیلی نہ ہوگی۔

اور اگر ایسا ہو کہ خود سعودی حکومت نے منٰی کے ویرانے کو مکہ شہر کا حصہ سمجھ کر اُس کو مکہ مکرمہ کی بلدیہ کے ماتحت کر دیا ہو تو سعودی حکومت کا ایسا سمجھنا بذاتِ خود کوئی شرعی دلیل و حجت نہیں ہے۔

تیسری دلیل :

'' وہاں کا بڑا ہسپتال سال بھر اپنی خدمات انجام دیتا رہتا ہے، نیز رابطہ عالمِ اسلامی کا دفتر بھی کھلا رہتا ہے اور شاہی محل بھی آباد رہتا ہے''۔ (رسالہ ندائے شاہی، دسمبر ۲۰۰۴ ص ۵۳)

ہسپتال کی بات تو ہم اُوپر ذکر کر چکے ہیں۔ رابطہ عالم اسلامی کے دفتر کا وہاں ہونا کسی انتظامی سہولت کی وجہ سے ہوگا ورنہ نہ تو اہلِ مکہ کی ضرورت و حاجت کا اِس سے کچھ تعلق ہے اور نہ ہی خاص منٰی میں اِس دفتر کی تعمیر کی کوئی مجبوری۔ ہاں حج کے دنوں میں اِس ادارہ کے مہمانوں کی سہولت کے لیے اِس دفتر کا وہاں ہونا سمجھ میں آتا ہے۔

رہا شاہی محل تو وہ منٰی کی حدود کے ساتھ ساتھ بنا ہوا ہے۔ وہاں عام طور سے محافظ اور دیگر عملہ رہتا ہے اور شاہی محل کا وہاں ہونا اہلِ مکہ کی کوئی ضرورت و حاجت نہیں، محض حکمرانوں کی آسائش ہے۔

غرض مندرجہ بالا بنیادوں پر پورے منٰی کو مکہ مکرمہ کا فناء قرار دینا قابلِ تسلیم نہیں۔

منٰی اور مزدلفہ کا حکم :

موجودہ حالات میں منٰی اور مزدلفہ نہ تو مکہ مکرمہ کے محلّہ کی مانند ہیں اور نہ ہی مکہ مکرمہ کے فناء میں شمار ہیں لہٰذا جس حاجی کا منٰی جانے سے پہلے مکہ مکرمہ میں پندرہ دن سے کم ٹھہرنا ہو وہ منٰی، مزدلفہ اور عرفات میں قصر نماز پڑھے۔ اور ایسے شخص پر عید کی قربانی بھی واجب نہیں ہوئی۔ علاوہ ازیں عرفات کی طرح منٰی اور مزدلفہ میں جمعہ پڑھنا بھی جائز نہیں۔

ایک نکتہ :

ردالمحتار میں ہے :

"ولو جاوز العمران من جهة خروجه وكان بحذائه محلة من الجانب الآخر يصير مسافرا اذ المعتبر جانب خروجه ....لابد ان تكون المحلة فى المسئلة الثانية من جانب واحد . فلو كان العمران من الجانبين فلا بد من مجاوزته لما فى الامداد لو حاذاه من احد جانبيه فقط لايضره كما فى قاضيخان وغيره الخ "

"اگر آدمی جانبِ خروج سے آبادی پار کرلے اور کسی اور جانب سے اُس کے ایک طرف محلّہ ہو تو وہ مسافر بن جاتا ہے کیونکہ جانبِ خروج کا ہی اعتبار کیا جاتا ہے.....اور اگر آبادی دو طرفوں میں ہو تو اِس صورت میں مسافر بننے کے لیے آبادی سے تجاوز ضروری ہے کیونکہ امداد میں ہے کہ اگر آبادی صرف ایک طرف کو ہو تو اِس سے کچھ فرق نہیں پڑتا جیسا کہ قاضیخان وغیرہ میں ہے"۔

اس عبارت کا حاصل جو احسن الفتاوٰی ص۲۷۲ ج۴ میں ہے، وہ یوں ہے :

"اگر شہر کی جانب سفر میں مکانات ختم ہو گئے مگر کسی ایک جانب راستے سے دُور کوئی محلّہ اس طرف بڑھا ہوا ہے تو اُس کا اعتبار نہیں البتہ اگر دونوں جانب اِس قسم کی آبادی ہو تو اُن کی محاذات سے خروج کے بعد حکم قصر ہوگا"

اِس عبارت سے بعض لوگوں کو یہ خیال ہوا ہے کہ چونکہ منٰی اور مزدلفہ کے موازی دو جانب مکہ شہر کی آبادی

بڑھی ہوئی ہے لہٰذا آدمی مسافر اُس وقت بنے گا جب دونوں طرف آبادی سے تجاوز کر جائے اور اِس طرح سے منٰی اور مزدلفہ دونوں ہی مکہ مکرمہ کے حصے قرار پائے۔

ہم کہتے ہیں کہ ایسا خیال کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ :

۱۔ عبارت کا مطلب یہ ہے کہ آدمی شہر سے نکل کر جس رستے پر جا رہا ہے اُس رستے کے قریب تک شہر کی کسی دوسری جانب سے کوئی محلّہ بڑھ کر آ گیا ہو۔ اگر صرف ایک طرف سے ایسا ہو تو اِس کا اعتبار نہیں اور اگر دو طرف سے ایسا ہو تو اُس آبادی سے مجاوزت کا اعتبار ہوگا۔

منٰی اور مزدلفہ کی صورت میں جیسا کہ نقشہ سے عیاں ہے، شمالی جانب جو محلے ہیں وہ رستے سے بہت دُور ہیں اور گزرنے والے کے نہ سامنے آتے ہیں اور نہ اُس کے قریب تک آتے ہیں۔

۲۔ علامہ شامی رحمہ اللہ کی دو جانب والی بات قابلِ تسلیم نہیں کیونکہ :

i۔ یہ بات صرف علامہ شرنبلالیؒ نے مراقی الفلاح اور امداد میں لکھی ہے :

اذا جاوز بیوت مقامه ولو بیوت الاخبیة من الجانب الذی خرج منه ولو حاذاه فی احد جانبیه فقط لا یضره (حاشیه طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۲۳۰)

''جب آدمی جانبِ خروج میں اپنی بستی کے مکانات سے تجاوز کر جائے تو اگر اُس کے ایک طرف کو آبادی ہو تو اِس سے کچھ فرق نہیں پڑتا''۔

ردالمحتار میں علامہ شامی رحمہ اللہ نے یہ بات امداد سے نقل کی ہے جو اس کی نسبت قاضی خان وغیرہ کی طرف کرتے ہیں۔ قاضی خان کی طرف اِس کی نسبت صحیح نہیں کیونکہ اُس میں یوں ہے :

ویعتبر مجاوزة عمران المصر من الجانب الذی خرج ولا یعتبر محلة اخری بحذائة من الجانب الآخر (علی هامش العالمگیریة ص ۱۶۴ ج ۱)

''جانبِ خروج سے شہر کی آبادی کا اعتبار کیا جاتا ہے اور دوسری جانب سے ایک طرف جو محلّہ ہو، اُس کا اعتبار نہیں ہے۔

علامہ شرنبلالی رحمہ اللہ نے یہی بات مراقی الفلاح میں بھی ذکر کی ہے لیکن وہاں کسی اور کا حوالہ ذکر نہیں

کیا۔ پھر انہوں نے یہ بات کہاں سے کہی؟ قرینِ قیاس یہ ہے کہ انہوں نے دیگر فقہاء کی عبارتوں کا مفہومِ مخالف اخذ کر کے ایسا لکھا ہے ورنہ دیگر فقہاء نے یہ مفہومِ مخالف اخذ نہیں کیا اور اُن کی عبارتیں یوں ہیں۔

قاضی خان :ویعتبر مجاوزة عمران المصرمن الجانب الذی خرج ولا یعتبر محلة اخری بحذائه من الجانب الآخر . (عالمگیری حاشیه ص ۱۶۴ ج ۱)

''جانبِ خروج سے شہر کی آبادی کا اعتبار کیا جاتا ہے، دوسری جانب سے کسی طرف کو بڑھنے والی آبادی کا اعتبار نہیں کیا جاتا''۔

تبیین الحقائق : ثم المعتبر المجاوزة من الجانب الذی خرج منه حتی لوجاوز عمران المصرقصر وان کان بخدائه من جانب آخر ابنیة (ص۲۰۹ج۱)

''جانبِ خروج سے آبادی سے تجاوز کا اعتبار ہوتا ہے، لہٰذا آدمی جب شہر کی آبادی سے آگے بڑھ جائے تو وہ قصر کرے گا اگرچہ کسی اور جانب سے اُس کے کسی طرف کو عمارتیں بڑھی ہوئی ہوں''۔

البحرالرائق :ولا یعتبرمجاوزة محلة من الجانب الآخر (ص۱۲۸ج۲)

''دوسری جانب سے بڑھے ہوئے محلّہ سے آگے بڑھنے کا اعتبار نہیں ہے''۔

خلاصة الفتاوٰی : ویعتبر مجاوزة عمران المصرمن الجانب الذی خرج ولا یعتبر محلة بحذائه من الجانب الآخر. (ص۱۹۸ج۱)

''جانبِ خروج سے شہر کی آبادی سے آگے بڑھنے کا اعتبار ہوتا ہے، دوسری جانب سے ایک طرف کو بڑھے ہوئے محلّہ کا اعتبار نہیں ہوتا''۔

عالمگیری : ثم المعتبر المجاوزة من الجانب الذی خرج منه حتی لوجاوز عمران المصر قصر و ان کا ن بحذائه من جانب آخر ابنیة. (کذا فی التبیین ص۱۳۹ج۱)

''جانبِ خروج سے متجاوز ہونے کا اعتبار ہوتا ہے، لہٰذا جب شہر کی آبادی سے متجاوز ہو جائے

تو قصر کرے گا، اگر چہ کسی اور جانب سے اِس کے ایک طرف عمارتیں ہوں''۔

تتارخانیہ :اذا خلف البنیان الذی خرج منه قصر الصلٰوة وان کان بحذائه بنیان آخر من جانب آخر من المصر (ص ۴ ج ۲)

''آدمی جب جانبِ خروج سے عمارتوں کو پیچھے چھوڑ جائے تو نماز قصر کرے اگر چہ اُس کے ایک طرف شہر کی کسی اور جانب سے عمارتیں بڑھی ہوئی ہوں''۔

بنایه :حتی لو خلف الابنیة التی فی طریقه قصر وان کان بحذائه ابنیة من جانب آخر من المصر (ص ۲۵۵ ج ۳)

''حتی کہ اگر آدمی اپنے رستے میں آبادی کی عمارتوں کو پیچھے چھوڑ جائے تو قصر کرے اگر چہ شہر کی کسی دوسری جانب سے اُس کے ایک طرف کو عمارتیں بڑھی ہوئی ہوں''۔

فتح القدیر : فلو جاوزها وتحاذیه بیوت من جانب آخر جاز القصر (ص ۳۴ ج ۲)

''اگر آبادی سے باہر نکل جائے اور اُس کے ایک طرف میں کسی اور جانب سے آبادی بڑھی ہوئی ہو تو قصر کرنا جائز ہے''۔

بلکہ ذیل میں دی گئی فقہاء کی تصریحات سے مراقی الفلاح اور امداد کا دیا ہوا مفہوم بھی غلط ثابت ہوتا ہے، مثلاً عنایہ میں ہے :

اذا فارق بیوت المصر من الجانب الذی یخرج منه وان کان فی غیره من الجوانب بیوت.

''جانبِ خروج سے جب آدمی گھروں کو پیچھے چھوڑ جائے تو اگر چہ اور جوانب میں مکان آگے ہوں، وہ قصر کرسکتا ہے۔

تتارخانیہ میں ہے :

ثم یعتبر الجانب الذی منه یخرج المسافر من البلدة لا الجوانب بحذاء البلدة . (ص ۴ ج ۲)

" پھر اعتبار اُس جانب کا ہے جس سے مسافر شہر سے نکلتا ہے، شہر کی دوسری جانبوں کا اعتبار نہیں ہے"۔

کیونکہ اِن دو عبارتوں کا مطلب یہ ہے کہ دیگر جوانب میں خواہ وہ دو ہوں یا زیادہ ہوں، اگر آبادی بڑھ کر مسافر کے رستے کے قریب آجائے تب بھی اِس سے مجاوزت ضروری نہیں۔ اس صراحت کے ہوتے ہوئے مراقی الفلاح اور امداد میں لکھی ہوئی بات کسی طور سے دُرست نہیں۔

اظہارِ ممنونیت :

اس مضمون کی ترتیب کے لیے ہم مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ کے مدرس حضرت مولانا سیف الرحمٰن صاحب مدظلہ اور مکہ مکرمہ ہی میں مقیم جناب قاری ارشد صاحب کے ممنونِ احسان ہیں جنہوں نے اپنی گاڑیوں میں خود ہمیں اِس سارے علاقے کا سروے کرایا۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اِن دونوں حضرات کو اجرِ عظیم سے نوازیں۔

قسط : ۲

نبوی لیل ونہار

﴿ حضرت مولانا سعد حسن صاحب ٹونکیؒ ﴾

آنحضرت ﷺ کا ذوقِ سلیم لباس میں :

☆ تمام لباسوں میں آنحضرت ﷺ کُرتہ زیادہ پسند فرماتے۔

☆ کُرتے کی آستین نہ اتنی تنگ رکھتے اور نہ اتنی کشادہ بلکہ درمیانی ہوتی اور آستین ہاتھ کے گٹے تک رکھتے

☆ آنحضرت ﷺ کے سفر کا کُرتہ وطن کے کُرتے سے دامن میں اور آستین میں کسی قدر چھوٹا ہوتا تھا۔

☆ آنحضرت ﷺ کی قمیص کا گریبان سینہ پر ہوتا تھا۔

☆ آنحضرت ﷺ کبھی اپنے کُرتے کا گریبان کھول لیا کرتے اور سینۂ مبارک صاف نظر آتا اور اِسی حالت میں نماز پڑھ لیتے۔

☆ جب آپ ﷺ قمیص زیبِ تن فرماتے تو پہلے سیدھا ہاتھ سیدھی آستین میں ڈالتے اور پھر اُلٹا ہاتھ اُلٹی آستین میں۔

☆ آپ ﷺ نے پاجامہ کبھی نہیں پہنا بلکہ ہمیشہ تہبند باندھا ہے۔ البتہ پاجامہ پہننے کے لیے خریدا ہے اور اپنے احباب کو پہنتے دیکھا ہے۔

☆ آپ ﷺ تہبند ہمیشہ ناف سے نیچا باندھتے اور نصف پنڈلی سے اُونچا رکھتے۔

☆ آنحضرت ﷺ کے تہبند کا اگلا حصہ پچھلے حصہ سے قدرے نیچا ہوتا تھا۔

☆ آپ ﷺ کے اوڑھنے کی چادر چار گز لمبائی میں اور دو گز ایک بالشت چوڑائی میں ہوتی تھی۔

☆ کبھی آپ ﷺ چادر کو اِس طرح اُوڑھتے کہ چادر سیدھی بغل سے نکال کر اُلٹے کاندھے پر ڈال لیتے۔

☆ آنحضرت ﷺ نے اپنے پہننے کے کپڑوں میں سے مثلاً کرتہ تہبند چادر یا جوتا وغیرہ، اِن میں

سے کسی کا فاضل جوڑا بنا کر نہیں رکھا۔

☆ آنحضرت ﷺ جب نیا لباس پہنتے تو جمعہ کے دن پہنتے۔

☆ سفید لباس تو حضور انور ﷺ کو محبوب تھا ہی، مگر رنگین لباس میں سبز رنگ کا لباس طبیعتِ پاک کو بہت زیادہ پسند تھا۔

☆ خالص و گہرا سرخ رنگ طبیعتِ پاک کو بہت زیادہ ناپسند تھا۔

☆ جب آنحضرت ﷺ نیا لباس زیبِ تن فرماتے تو کپڑے کا نام لے کر خدا تعالیٰ کا شکر اِن الفاظ میں ادا فرماتے: اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ کَمَا کَسَوْتَنِیْہِ اَسْئَلُکَ خَیْرَہٗ وَخَیْرَ مَا صُنِعَ لَہٗ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّہٖ وَشَرِّ مَا صُنِعَ لَہٗ .

آنحضرت ﷺ کا عمامہ :

☆ آنحضرت ﷺ عمامہ باندھتے تھے۔

☆ اگر عمامہ نہ ہوتا تو سر اور پیشانی مبارک پر ایک پٹی باندھ لیا کرتے۔

☆ آنحضرت ﷺ کا عمامہ تقریباً سات گز کا ہوتا تھا۔

☆ آنحضرت ﷺ عمامہ باندھتے تو شملہ ضرور چھوڑتے اور کبھی عمامہ کا ایک پیچ ٹھوڑی کے نیچے گردن پر سے لے لیتے۔

☆ آپ ﷺ عمامہ کا شملہ ایک بالشت کے قریب چھوڑتے۔

☆ آپ ﷺ کے عمامہ کا شملہ دونوں شانوں کے درمیان پیچھے کی جانب چھوٹا ہوا ہوتا۔

☆ عمامہ باندھنے کے ختم پر اُس کا آخر پلّو بجائے آگے کے پیچھے کے رُخ میں اُڑس لیتے۔

☆ تپشِ آفتاب کی وجہ سے کبھی عمامہ کا شملہ سر مبارک پر ڈال لیا کرتے۔

☆ عمامہ کے نیچے آپ ﷺ ٹوپی ضرور اَوڑھا کرتے تھے۔

آنحضرت ﷺ کی ٹوپی :

☆ آنحضرت ﷺ سفید ٹوپی اَوڑھا کرتے تھے۔

☆ وطن میں آنحضرت ﷺ سر سے چپٹی ہوئی ٹوپی اَوڑھا کرتے۔

☆ آپ ﷺ کے سفر کی ٹوپی اُٹھی ہوئی باڑ دار ہوتی تھی جس کو کبھی نماز پڑھتے وقت اپنے سامنے رکھ لیا کرتے (گویا اِس سے سُترہ کا کام لیتے)۔

☆ آپ ﷺ نے سوزنی نما سلے ہوئے کپڑے کی گاڑھی ٹوپی بھی اُوڑھی ہے۔

آنحضرت ﷺ کی انگوٹھی :

☆ آنحضرت ﷺ چاندی کی انگوٹھی پہنتے۔

☆ آپ ﷺ نے انگوٹھی سیدھے اور اُلٹے دونوں ہاتھوں کی چھنگلی میں پہنی ہے۔

☆ آپ ﷺ نے انگوٹھی کا نگینہ کبھی چاندی کا رکھا اور کبھی حبشی پتھر کا۔

☆ آنحضرت ﷺ کی عادتِ طیبہ تھی کہ انگوٹھی کا نگینہ بجائے اُوپر کی جانب کے ہاتھ کے اندر کی ہتھیلی کی طرف رکھتے۔

☆ آپ ﷺ کی انگوٹھی پر تین سطروں میں ''**مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ**'' کُھدا ہوا تھا۔ **مُحَمَّد** ایک سطر میں، **رَسُوْل** دوسری سطر میں اور **اَللّٰہ** تیسری سطر میں۔

آنحضرت ﷺ کا جوتا :

☆ آنحضرت ﷺ چپل نما، یا کھڑاؤں نما جوتا پہنا کرتے تھے۔

☆ آپ ﷺ جوتا پہنتے تو پہلے سیدھا پاؤں سیدھے جوتے میں ڈالتے پھر اُلٹا پاؤں اُلٹے جوتے میں، اور جوتا اُتارتے وقت پہلے اُلٹا پاؤں جوتے میں سے نکالتے اور پھر سیدھا۔

☆ جوتا کبھی کھڑے ہوکر پہنتے اور کبھی بیٹھ کر۔

☆ آپ ﷺ اپنا جوتا اُٹھاتے تو اُلٹے ہاتھ کے انگوٹھے کے پاس والی اُنگلی سے اُٹھاتے۔

☆ آپ ﷺ اپنے جوتے میں دو تسمے رکھتے، ایک تسمہ انگوٹھے اور اُس کے برابر والی اُنگلی میں رہتا اور دُوسرا چھنگلی اور اُس کے برابر والی اُنگلی میں۔

☆ آپ ﷺ کا جوتا ایک بالشت دو اُنگل لمبا تھا۔ تلوے کے پاس سے سات اُنگل چوڑا اور دونوں تسموں کے درمیان پنجہ پر سے دو اُنگل فاصلہ ہوتا تھا۔ (جاری ہے)

تحقیق شجرہ چشتیہ نظامیہ گیسودرازیہ قدوسیہ

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہٗ (متوفٰی ۹۴۴ھ)

﴿ از قلم : حضرت سیّد نفیس الحسینی شاہ صاحب دامت برکاتہم ﴾

حضرت سیّد نفیس الحسینی شاہ صاحب مدظلہم نے شجرۂ طریقت چشتیہ نظامیہ گیسودرازیہ قدوسیہ کی نہایت عرق ریزی سے تحقیق فرمائی ہے۔ حضرت شاہ صاحب مدظلہم کی اس تحقیق سے پہلے اِس شجرہ کے بارے میں غلط فہمی پائی جاتی تھی کہ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کو ایک واسطہ سے حضرت شیخ ابن حکیم اودِھیؒ کا خلیفہ سمجھا جاتا تھا اور حضرت شیخ ابن حکیم اودِھیؒ کو بھی ایک واسطہ سے حضرت خواجہ سیّد محمد گیسودرازؒ کا خلیفہ سمجھا جاتا تھا۔ حضرت شاہ صاحب مدظلہم کی تحقیق سے یہ شجرہ بایں طور واضح ہوا کہ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کو براہِ راست حضرت شیخ ابن حکیم اودِھیؒ سے سلسلہ نظامیہ گیسودرازیہ میں اجازت حاصل ہے اور حضرت شیخ ابن حکیم اودھیؒ کو ایک نہیں بلکہ دو واسطوں سے حضرت خواجہ سیّد محمد گیسودرازؒ سے اجازت حاصل ہے۔ حضرت شاہ صاحب مدظلہم کی یہ تحقیق نذرِ قارئین ہے۔ (ادارہ)

شیوخ : (۱) شیخ محمد ردولوی بن شیخ احمد عارف بن شیخ احمد عبدالحق ردولوی رحمہم اللہ تعالیٰ

(۲) شیخ الاسلام شیخ درویش محمد بن قاسم اودِہی رحمۃ اللہ علیہ

(۳) شیخ الاسلام حضرت بندگی میاں شیخ بن حکیم اودِہی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا سلسلہ طریقت شیخ رُکن الدینؒ (صاحبزادہ حضرت شیخ) اور شیخ جلال الدین تھانیسریؒ سے جاری ہے۔ حضرت مجدد الفِ ثانیؒ اور بزرگان دیوبندؒ اِسی سلسلہ عالیہ سے وابستہ ہیں، رحمہم اللہ تعالیٰ۔

مفصل حالات اعجازُ الحق قدوسی کی تالیف ''شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ اور اُن کی تعلیمات'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

شیخ الاسلام حضرت میاں شیخ بن حکیم اودِھی رحمۃ اللہ علیہ :

مکتوباتِ قدوسیہ میں حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہٗ نے شیخ جلال الدین تھانیسریؒ کے نام ایک مکتوب میں آپ کا ذکرِ خیر بایں الفاظ کیا ہے، فرماتے ہیں :

''از زبانِ شیخ خود شیخ الاسلام عالم ربانی واصل سبحانی شیخ ابن حکیم اودِھیؒ شنیدہ ام''

(مکتوباتِ قدوسیہ ص ۲۱۹)

''میں نے اپنے شیخ یعنی شیخ الاسلام عالمِ ربانی واصلِ سُبحانی شیخ ابن حکیم اودھیؒ کی زبانِ مبارک سے خود سُنا ہے''۔

اخبارالاخیار میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ تحریر فرماتے ہیں :

''بیک واسطہ مرید سیّد محمد گیسو دراز است درویش کامل بود، و در زمان وی در ولایت مندو از وی بزرگتر نبود شیخ آن ولایت او بود، صد و بست سال عمر داشت و پیر او صد و پنجاہ سالہ بود، گویند کہ وی از ابتدای ماہِ رجب تا روزِ عاشوراء معتکف می بود و در حجرہ را بسنگ می برآورد و درین صورت ششماہ بی طعام و آب معتاد بسر می برد و روزی کہ می خواست کہ از حجرہ بیروں برآید فریاد میکردند مردم را تا کسی حاضر نباشد کہ تابِ نظرِ جلالِ او نخواہد داشت و اگر اتفاقاً کسی حاضر می بود و نظر بر آن کس می افتاد یک دو روز بیخود افتادہ می بود، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما''۔

مسالک السالکین کے مصنف مولانا عبدالستار بیگ سہسرامیؒ تحریر فرماتے ہیں :

''آپ مرید وخلیفہ حضرت شیخ صدرالدین رحمہ اللہ کے اور پیر حضرت قطبُ العالم شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمہ اللہ کے ہیں۔ آپ نے ۷۶۹ھ میں وِلادت فرمائی اور ایک سو بیس برس کی عمر میں ۸۸۸ھ میں وفات پائی، مزار پُر انوار شہر مندو میں ہے''۔

اخبارالاخیار اور خزینۃ الاصفیاء میں آپ کا اسمِ مبارک شاہ میانجو لکھا ہے اور لکھا ہے کہ :

''آپ بیک واسطہ مرید حضرت سیّد محمد گیسو دراز رحمہ اللہ کے اور درویش کامل تھے۔ آپ کے وقت میں ولایت مندو میں آپ سے بزرگ تر دوسرا نہ تھا، آپ شیخ اُس ولایت کے تھے۔ اور یہ بھی تحریر ہے کہ آپ ہمیشہ ماہِ رجب سے یومِ عاشوراء تک معتکف رہتے تھے

اور حجرہ کا دروازہ پتھروں سے بند کرا دیتے اور چھ مہینہ بے آب وطعام بسر فرماتے تھے، جس روز حجرہ سے باہر نکلنے کا وقت آتا آواز دی جاتی کہ تمام حاضرین حجرہ سے دُور چلے جائیں، اگر اتفاقاً کوئی سامنے آ جاتا اور نظرِ جلالت اثر آپ کی اُس پر پڑتی تو ایک دو روز بیہوش وبیخود پڑا رہتا۔ آپ شہر مندو میں کہ پائے تخت سلاطین مالوہ تھا، قیام رکھتے تھے''۔

ناچیز مؤلف کہتا ہے کہ اخبار الاخیار وغیرہ سے ظاہر ہے کہ آپ بیک واسطہ مرید حضرت سیّد محمد گیسو دراز قدس سرہٗ کے تھے اور بعض کتابوں میں ترتیب شجرہ حضرت قطبُ العالم شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمہ اللہ کی اس طرح پر مندرج ہے کہ :

''حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی مرید وخلیفہ حضرت شیخ درویش محمد کے، وہ مرید وخلیفہ حضرت میاں شیخ ابن حکیم اودِھی کے، وہ مرید وخلیفہ حضرت شیخ صدرالدین کے، وہ مرید وخلیفہ حضرت خواجہ بندہ نواز سیّد محمد گیسو دراز کے، رحمہم اللہ تعالیٰ''۔

لیکن لطائفِ قدوسی میں جو تصنیف وتالیف حضرت شیخ رُکن الدین پسر وخلیفہ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کی اور سب سے معتبر اور قریب التالیف کتاب ہے، ترتیب شجرہ کی اِس طور پر مرقوم ہے کہ :

''حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی مرید وخلیفہ حضرت شیخ الاسلام میاں شیخ ابن حکیم اودِھی کے، اور وہ مرید وخلیفہ حضرت صدرالدین کے، وہ مرید وخلیفہ حضرت علاؤ الدین کے، اور وہ مرید وخلیفہ حضرت خواجہ بندہ نواز سیّد محمد گیسو دراز کے، رحمہم اللہ تعالیٰ''۔

پس ناچیز مؤلف کے نزدیک یہی ترتیب آخر صحیح ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت شیخ صدرالدین اودھی رحمۃ اللہ علیہ :

لطائفِ قدوسی میں لکھا ہے کہ :

''حضرت شیخ صدرالدین اودھیؒ را خلافت از پیر خود وپدرِ خود حضرت شیخ علاؤ الدین اودھیؒ بود''۔

''حضرت شیخ صدرالدین اودھیؒ کو اپنے شیخ اور والد حضرت شیخ علاؤ الدین اودھیؒ سے اجازت وخلافت حاصل تھی''۔

حضرت ابوالفضل شیخ علاؤالدین اودِھی رحمۃ اللہ علیہ :

آپ کی بیعت وارادت حضرت خواجہ سیّد محمد گیسودراز رحمۃ اللہ علیہ سے تھی، حضرت خواجہ صاحب کے حلقۂ ارادت میں علاؤ الدین نام کے دو شخص تھے، ایک مولانا علاؤ الدین گوالیری، دوسرے شیخ علاؤ الدین اودھی۔ ''تاریخ حبیبی وتذکرۂ مرشدی'' کے مؤلف مولانا عبدالعزیز واعظی نے اپنی تالیف میں علاؤ الدین اودھی کا دوجگہ تذکرہ کیا ہے۔ حضرت گیسودرازؒ کی وفات (۸۲۵ھ) کے بعد حضرت مخدوم زادہ خرد سیّد محمد اصغر حسینی کے زمانۂ شیوخت (۸۲۵ھ تا ۸۲۸ھ) میں ایک بار حلقۂ تلقین ذکر ہوا، جس میں قاضی برہان الدین (برینڈہ کے نائب حاکم شرع) مولانا اسماعیل جومیاں عبداللہ (بن شاہ ابوالمعالی وخلیفہ خواجہ گیسودرازؒ) کے خلیفہ ہو چکے تھے۔ تیسرے شخص حاکم شرع قصبہ نیوسہ تھے۔ چوتھے مولانا علاؤالدین جو ہندوستانی تھے اور بعد میں حج بھی کرآئے تھے، موجود تھے (تاریخ حبیبی ص ۱۱۵)

مولانا عبدالعزیز واعظی نے ایک دوسرے مقام پر شیخ علاؤالدین اودھیؒ کا ذکر حضرت شاہ یداللہ حسینیؒ خلیفہ ونبیرہ حضرت سیّد محمد گیسودرازؒ کے خلفاء مجاز کی فہرست میں کیا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شیخ علاؤالدین اودھیؒ نے کچھ تربیت حضرت گیسودرازؒ سے اوراس کے بعد حضرت مخدوم زادہ خرد سیّد محمد اصغر حسینیؒ سے پائی، پھر اِن کی وفات کے بعدان کے فرزندِ عزیز سیّد شاہ یداللہ حُسینیؒ کے حلقۂ تربیت میں آگئے اور منصبِ خلافت سے نوازے گئے۔ تاریخ حبیبی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انہیں حضرت مخدوم زادہ خردؒ سے بھی اجازت تھی۔ لکھتے ہیں کہ ایک موقع پر حضرت خواجہ صاحب نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ میرے بعد محمد اصغر جس کسی کو اجازت دیں اُسے میری طرف سے بھی مجاز سمجھا جائے (تاریخ حبیبی ص ۱۲۳)۔

سیّدالسادات حضرت خواجہ سیّد محمد گیسودرازؒ :

لطائفِ قدوسی میں لکھا ہے :

''مولانا شیخ علاؤالدین اودھیؒ را اجازت از پیر خود سیّد السادات سیّد محمد گیسو دراز بود''۔

(لطائف قدوسی قلمی ورق ۴۴)

''مولانا شیخ علاؤ الدین اودھیؒ کو اپنے شیخ سید السادات سید محمد گیسو درازؒ سے اجازت حاصل تھی''۔

شجرہ طریقت چشتیہ نظامیہ گیسودرازیہ قدوسیہ

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہٗ (متوفٰی ۹۴۴ھ)

☆ از مرشد خود شیخ الاسلام شیخ درویش محمد بن قاسم اودھیؒ (متوفٰی ۸۹۶ھ) [۱]

☆ از شیخ میاں ابن حکیم اودھیؒ (متوفٰی ۸۸۹ھ) [۲]

☆ وایشاں را از پدرِ خود و شیخِ خود شیخ صدرالدین اودھیؒ (متوفٰی ۸۶۰ھ) [۳]

☆ وایشاں را از پدرِ خود و شیخِ خود شیخ علاؤالدین اودھیؒ [۴]

☆ وایشاں را از پیرِ خود سیّدالسادات سیّد محمد گیسودراز گلبرگویؒ (متوفٰی ۸۲۵ھ) [۵]

☆ نیز درویش محمد قاسم را اجازت ایں طریقہ از شیخ میاں حکیم اودھی از سیّد صدرالدین اودہی از سید محمد گیسودراز، رحمہم اللہ تعالیٰ۔

حاشیہ ضیاء القلوب ص ۶۱، نسخہ مجتبائی قدیم ۔ تذکرۃ الرشید

ضروری اپیل

شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی قدس سرہٗ اور حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی قدس سرہٗ کے خطوط جن حضرات کے پاس ہوں، اُن سے دراخوست ہے کہ اُن کی فوٹو اسٹیٹ روانہ فرمائیں تا کہ اُن کو مرتب کر کے شائع کیا جاسکے۔

ڈاک کا پتہ : تنویر احمد شریفی جی پی او بکس نمبر 1498 کراچی 74200 پاکستان

---

[۱] ضیاء القلوب، نزہتہ الخواطر [۲] لطائفِ قدوسی، ضیاء القلوب، تذکرۃ العابدین [۳] لطائفِ قدوسی

[۴] لطائفِ قدوسی، (ابوالفضل) شیخ علاؤالدین اودھیؒ اور مولانا علاؤالدین گوالیریؒ دو مختلف خلفاء ہیں، نیز ملاحظہ ہو تاریخ حبیبی

[۵] تاریخ حبیبی و تذکرۂ مرشدی، لطائفِ قدوسی، شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ اور اُن کے خلفاء

حضرت مولانا مفتی عبدالحمید صاحب سیتاپوری قدس سرہٗ

سابق شیخ الحدیث جامعہ مدنیہ لاہور

﴿ قاری غلام مصطفیٰ صاحب قاسمی، کلورکوٹ ﴾

عالم و مفتی و خوش بخت و سعید
آ رہے ہیں یاد پھر عبدالحمیدؒ

ہم سنبھل پائے نہ تھے عبدالرشیدؒ
دے گئے والد تمہارے غمِ شدید

خُلد کو خود تو روانہ ہو گئے
ہم کو لاحق کرگئے رنجِ بعید

درگزر کر دے سبھی کوتاہیاں
فضل سے تیرے نہیں کچھ بھی بعید

بخش دے تجھ کو خدائے ذُوالمِنَن
بے حساب و بے عتاب و بے وعید

پڑھ کے مُژدۂ جاں فزا لَا تَیْئَسُوْا
غم زدوں کو مل گئی حق سے نوید

مضطرب تھے جس کی فرقت میں کبھی
مل گیا آخر تجھے قربِ رشیدؒ

کیا بتاؤں حالِ غم اے دوستو
آنچہ من دیدم کسے ہرگز نہ دید

سادگی ، گمنامیٔ دورِ حیات
گُلبۂ مسکیں میں خوش پدر وحیدؔ

مشغلہ تیرا رہا درسِ حدیث
مرحبا ، صد مرحبا اے بُو رشیدؒ

خوش نصیبی پہ ہیں سب نازاں تِری
اللہ ، اللہ ، شیخِ مدنیؒ کے مرید

میکدہ شیخ العربؒ کے بادہ نوش
خُم کے خُم پی کے ، رہے کہتے مزید

لختِ دل ، لختِ جگر ہوں شاد کام
آپؒ کے عبدالحفیظؔ ، عبدالوحیدؔ

خاندانِ سیتاپور کو ہو نصیب
عافیت دارین اے رَبِّ حمید

سن کے یہ اشعار بولے سب عزیز
حبّذا ، اے قاسمیؔ ، مَردِ سعید

گلدستۂ احادیث حضرت مولانا نعیم الدین صاحب

دو خصلتیں

عَنْ اَنَسٍؓ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ، قَالَ يَااَبَا ذَرٍّ اَلَا اَدُلُّكَ عَلٰى خَصْلَتَيْنِ هُمَا اَخَفُّ عَلَى الظَّهْرِ وَاَثْقَلُ فِي الْمِيْزَانِ، قَالَ قُلْتُ بَلٰى قَالَ : طُوْلُ الصَّمْتِ وَحُسْنُ الْخُلُقِ وَالَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ مَا عَمِلَ الْخَلَآئِقُ بِمِثْلِهِمَا.

(شعب الایمان بحوالہ مشکوٰۃ ص ۴۱۵)

''حضرت انس رضی اللہ عنہ رسول اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: اے ابوذر! کیا میں تمہاری رہنمائی ایسی دو خصلتوں پر نہ کروں جو انسان کی پُشت پر تو بہت ہلکی ہیں (یعنی اُن پر عمل بہت آسان ہے) لیکن (اعمال تولے جانے والے) ترازو میں بہت بھاری ہیں۔ حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا کہ کیوں نہیں (ضرور بتلایئے) فرمایا: (۱) طویل خاموشی اور (۲) خوش خلقی، اُس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے مخلوقات کے لیے اِن سے بہتر کوئی کام نہیں''۔

ف : خاموش رہنا اور خوش خلقی اختیار کرنا یہ دونوں خصلتیں اس اعتبار سے بہت آسان اور ہلکی ہیں کہ اِن کے اختیار کرنے میں کسی قسم کی کوئی محنت ومشقت برداشت نہیں کرنی پڑتی لیکن قیامت کے دِن میزانِ عمل میں یہ دونوں خصلتیں بڑی بھاری اور وزنی ہوں گی کیونکہ اِن کے اختیار کرنے سے انسان بہت سے گناہوں اور شرور وفتن سے بچ جاتا ہے اور مخلوق کی راحت رسانی کا سبب بنتا ہے۔

دو نعمتیں

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ :نِعْمَتَانِ مَغْبُوْنٌ فِيْهِمَا كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ، اَلصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ . (بخاری بحوالہ مشکوۃ ص ۴۳۹)

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: دو نعمتیں ایسی ہیں کہ اکثر لوگ اِن کے بارہ میں دھوکہ میں پڑے ہوئے ہیں اور گھاٹا کھائے

ہوئے ہیں، اِن میں سے ایک تو صحت ہے اور دوسری فراغت وفرصت ہے''۔

ف : اِس ارشادِ گرامی میں اُن لوگوں پر حسرت وافسوس کا اظہار کیا گیا ہے جو اِن عظیم نعمتوں سے کماحقہ فائدہ نہیں اُٹھاتے، نہ تو اپنی صحت وتندرستی کے زمانہ میں دین ودُنیا کی بھلائی اور فائدے کے کام کرتے ہیں اور نہ فرصت کے اوقات کو غنیمت جان کر اُمورِ آخرت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ پھر جب اُن کی صحت خراب ہوجاتی ہے اور دُنیا بھر کے فکرات لاحق ہوجاتے ہیں اور گردشِ زمانہ اُن کے اوقات کو مختلف قسم کی مشغولیتوں اور تشویشوں میں جکڑ لیتی ہے تو اُس وقت اُن کو اِن نعمتوں کی قدر ہوتی ہے اور پھر وہ اِس پر افسوس کرتے ہیں کہ ہم نے کیسے قیمتی مواقع ضائع کردیے۔

دو موجبِ لعنت چیزیں

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ، اِتَّقُوا اللَّاعِنَیْنِ قَالُوْا وَمَااللَّاعِنَانِ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ الَّذِیْ یَتَخَلّٰی فِیْ طَرِیْقِ النَّاسِ اَوْ فِیْ ظِلِّهِمْ .

(مسلم بحوالہ مشکوٰۃ ص ۴۲)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اُن دو چیزوں سے بچو جو موجبِ لعنت ہیں۔ صحابۂ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ وہ دو چیزیں کیا ہیں؟ فرمایا ایک تو یہ ہے کہ کوئی لوگوں کے راستہ میں پیشاب پاخانہ کرے، دوسرے یہ کہ کوئی لوگوں کی سایہ کی جگہ میں پیشاب پاخانہ کرے''۔

ف : ایسا راستہ جس پر عام طور سے لوگوں کی چلت پھرت ہو اور ایسی سایہ کی جگہ جہاں لوگ گرمیوں میں اُٹھتے بیٹھتے ہوں یا ایسی دھوپ کی جگہ جہاں لوگ سردیوں میں دھوپ سینکنے کے لیے اُٹھتے بیٹھتے ہوں (جیسا کہ عام طور پر باغوں یا پارکوں میں ہوتا ہے)، ایسی جگہوں میں پیشاب پاخانہ کرنا موجبِ لعنت ہے یعنی لوگ ایسے شخص پر لعن طعن کرتے اور بُرا بھلا کہتے ہیں جس کا سبب یہ خود ہی بنتا ہے کہ نہ ایسی حرکت کرتا نہ لعن طعن اور بُرا بھلا سننا پڑتا، لہٰذا ایسی واہیانہ حرکت سے بچنا چاہیے، گاؤں دیہاتوں کے لوگوں کو خاص طور پر اِس پر توجہ دینی چاہیے۔

۞۞۞

اولاد کی اہمیت اور اُس کے فضائل

﴿ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ﴾

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ایسی عورت سے نکاح کرو جو محبت کرنے والی ہو اور بچے جننے والی ہو، کیونکہ میں تمہاری زیادتی سے دوسری اُمتوں پر فخر کروں گا کہ میری اُمت اتنی زیادہ ہے۔ (ابوداؤد۔ نسائی)

فائدہ: اولاد کا ہونا بھی کتنا بڑا فائدہ ہے زندگی میں بھی کہ وہ سب سے بڑھ کر اپنے خدمت گزار اور مددگار اور فرمانبردار اور خیر خواہ ہوتے ہیں، اور مرنے کے بعد اِس کے لیے دُعا (اور ایصالِ ثواب) بھی کرتے ہیں۔ اور اگر آگے نسل چلی تو اُس کے دینی راستہ پر چلنے والے مدتوں تک رہتے ہیں (اور مرنے کے بعد بھی برابر اُس کو ثواب ملتا رہتا ہے) اور قیامت میں بھی (بڑا فائدہ ہے)۔ اسی طرح جو بچے بچپن میں مر گئے وہ اس کو بخشوائیں گے، اور جو بالغ ہو کر نیک ہوئے وہ بھی (اپنے والدین کے لیے) سفارش کریں گے۔

اور سب سے بڑی بات یہ کہ مسلمانوں کی تعداد بڑھتی ہے جس سے دنیا میں بھی قوت بڑھتی ہے اور قیامت میں ہمارے پیغمبر ﷺ خوش ہو کر فخر فرمائیں گے۔ (حیاۃ المسلمین ص ۱۸۹)

حضور ﷺ کی اولاد سے محبت :

حق تعالیٰ نے اولاد کی محبت والدین کے دل میں پیدا کی ہے اور یہ ایسی محبت ہے، جو مقدس ذاتیں محض حق تعالیٰ ہی کی محبت کے لیے مخصوص ہیں وہ بھی اس محبت سے خالی نہیں۔ چنانچہ سیّدنا رسول اللہ ﷺ کو حضرات حسنینؓ سے ایسی محبت تھی کہ ایک بار آپ خطبہ پڑھ رہے تھے کہ اتنے میں حضراتِ حسنین (بچے تھے) لڑکھڑاتے ہوئے مسجد میں آ گئے۔ حضور ﷺ سے اِن کا لڑکھڑانا دیکھ کر نہ رہا گیا۔ آپ ﷺ نے درمیانِ خطبہ ہی ممبر سے اُتر کر اُن کو گود میں اُٹھا لیا اور پھر خطبہ جاری فرما دیا۔ اگر آج کوئی شیخ ایسا کرے تو جہلاء اس کی حرکت کو خلافِ وقار کہتے ہیں، مگر وہ زبان سنبھالیں کیسا وقار لیے پھرتے ہیں، آج کل لوگوں نے تکبر کا نام وقار اور خودداری رکھ لیا ہے۔

اور وفات کے واقعات میں یہ ہوا کہ حضور ﷺ نے اپنے صاحبزادے حضرت ابراہیم کے وصال کے

وقت رنج وغم کا اظہار فرمایا، آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بھی جاری تھے اور زبان سے یہ بھی فرمایا کہ اے ابراہیم! ہم کو تمہاری جدائی کا واقعی صدمہ ہے۔

الغرض اولاد کی محبت سے ذواتِ قدسیہ بھی خالی نہیں۔ یہ تو حق تعالیٰ کی حکمت ہے کہ ہمارے اندر اولاد کی محبت پیدا کردی، اگر یہ داعی نہ ہوتا تو ہم اِن کے حقوق ادا نہ کرسکتے۔ (حقوق الزوجین ص ۱۴۰)

اولاد کی محبت کیوں پیدا کی گئی؟

بچّے جو محض گُوہ کا ڈھیر اور مُوت کی پوٹ ہیں، اِن کی پرورش بغیر قلبی داعیہ (اور جذبہ) کے ہو ہی نہیں سکتی، بچّے تو ہر وقت اپنی خدمت کراتے ہیں، خود خدمت کے لائق نہیں۔ اِن کی حرکتیں بھی مجنونانہ (پاگل پن کی سی ہوتی) ہیں مگر حق تعالیٰ نے ایسی محبت پیدا کردی ہے کہ اِن کی مجنونانہ حرکت بھی بھلی معلوم ہوتی ہیں حتی کہ بعض دفعہ وہ خلافِ تہذیب کام کرتے ہیں جس پر سزا دینا عقلاً ضروری ہوتا ہے مگر بچوں کے متعلق عقل مندوں میں اختلاف ہو جاتا ہے، ایک کہتا ہے کہ سزا دی جائے دوسرا کہتا ہے کہ نہیں بچے ہیں اِن سے ایسی غلطی ہو ہی جاتی ہے معاف کردینا چاہیے۔ غرض اپنے بچوں کو تو کیوں نہ چاہیں، دُوسرے کے بچوں کو دیکھ کر پیار آتا ہے اور اُن کی حرکتیں اچھی معلوم ہوتی ہیں۔ اگر یہ محبت کا تقاضا اور داعیہ نہ ہو تو راتوں کو جاگنا اور گُوہ مُوت کرانا دشوار ہو جاتا، کسی غیر کے بچہ کی خدمت کر کے دیکھو تو حقیقت معلوم ہو جائے گی، گو خدا کا خوف کر کے تم روزانہ اُس کی خدمت کردو مگر دل میں ناگواری ضرور ہوگی، غصہ بھی آئے گا۔ سو تیلی اولاد کی خدمت اسی لیے گراں ہوتی ہے کہ اس کے دل میں ان کی محبت نہیں ہوتی، چونکہ اولاد کی خدمت بغیر محبت کے دُشوار تھی، اس لیے حق تعالیٰ نے اولاد کی محبت والدین کے دل میں ایسی پیدا کردی کہ اب وہ اِس کے خدمت کرنے پر مجبور ہیں۔ (الفیض الحسن ص ۱۳۹)

اولاد کی تمنّا :

(لوگوں کو) اولاد کی تمنّا اس لیے ہوتی ہے کہ نام باقی رہے گا (خاندان اور سلسلہ چلے گا) تو نام کی حقیقت سن لیجیے کہ ایک مجمع میں جا کر ذرا لوگوں سے پوچھئے، تو بہت سے لوگوں کو پردادا کا نام معلوم نہ ہوگا۔ جب خود اولاد ہی کو اپنے پردادا کا نام معلوم نہیں تو دُوسروں کو خاک معلوم ہوگا؟ تو بتلایئے (اولاد والوں کا بھی) نام کہاں رہا۔

صاحبو! نام تو خدا کی فرمانبرداری سے چلتا ہے، خدا کی فرمانبرداری کرو، اِس سے نام چلے گا۔ اولاد سے نام نہیں چلا کرتا بلکہ اولاد نالائق ہوئی تو اُلٹی بدنامی ہوتی ہے اور نام چلا بھی تو چلنا ہی کیا چیز ہے جس کی

تمنّا کی جائے۔

یوں کسی کو طبعی طور پر اولاد کی بھی تمنّا ہو تو میں اُس کو بُرا نہیں کہتا کیونکہ اولاد کی محبت انسان میں طبعی (فطری) ہے چنانچہ بعض لوگ جنت میں بھی اولاد کی تمنّا کریں گے حالانکہ وہاں نام کا چلنا بھی مقصود نہ ہوگا کیونکہ جنت کے رہنے والے کبھی ختم ہی نہ ہوں گے بلکہ وہاں اِس تمنّا کا منشاء (سبب) محض طبعی تقاضا ہوگا، تو میں اس سے منع نہیں کرتا۔ مقصود صرف یہ ہے کہ اس طبعی تقاضے کی وجہ سے عورت کی خطاء نکال لینا کہ تیرے اولاد نہیں ہوتی یا لڑکیاں ہی ہوتی ہیں بڑی غلطی ہے اور اس قسم کے غیر اختیاری جرائم نکال کر اُن سے خفا ہونا اور اُن پر زیادتی کرنا ممنوع (اور ناجائز حرام ہے) اس میں ان بیچاریوں کی کیا خطا، جو ہوتا ہے اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ (حقوق البیت ص ۳۹)

یہ تو نہایت سخت غلطی ہے مثلاً بعض لوگ بیوی سے کہتے ہیں کہ کمبخت تیرے کبھی اولاد ہی نہیں ہوتی تو اس میں وہ بیچاری کیا کرے۔ اولاد کا ہونا کسی کے اختیار میں تھوڑی ہے۔ بعض دفعہ بادشاہوں کے اولاد نہیں ہوتی حالانکہ وہ ہر قسم کی مقوی غذائیں اور (حمل والی) دوائیں بھی استعمال کرتے ہیں مگر پھر بھی خاک نہیں ہوتا۔ یہ تو محض اللہ تعالیٰ کے قبضہ واختیار کی بات ہے اس میں عورتوں کا کیا قصور ہے۔

بعض مردوں کو ہم نے دیکھا ہے کہ وہ بیوی سے اس بات پر خفا ہوتے ہیں کہ کمبخت تیرے تو لڑکیاں ہی لڑکیاں ہوتی ہیں۔ سو اوّل تو اِس میں اِس کی کیا خطاء ہے۔ بلکہ اطبّاء (ڈاکٹروں) سے پوچھو تو وہ شاید اِس میں آپ ہی کا قصور بتلائیں۔ دوسرے یہ ناگواری کی بات بھی نہیں۔ (حقوق البیت ص ۳۵ ملحقہ حقوق الزوجین)

اگر اولاد ذخیرۂ آخرت ہو تو بہت بڑی نعمت ہے :

اگر اولاد دین میں مدد دے تو سبحان اللہ (اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے)۔ ایک بزرگ تھے وہ نکاح نہ کرتے تھے ایک مرتبہ سو رہے تھے کہ اچانک چونک پڑے اور کہنے لگے کہ جلدی کوئی لڑکی لاؤ (نکاح کرنا ہے)۔ ایک مخلص مرید حاضر تھے، اُن کی ایک لڑکی کنواری تھی، لاکر فوراً حاضر کی، اُسی وقت نکاح ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک بچہ دیا اور وہ مرگیا۔ بیوی سے کہا کہ جو میرا مطلب تھا پورا ہو گیا اب تجھ کو اختیار ہے۔ اگر تجھ کو دُنیا کی خواہش ہے تو میں تجھ کو آزاد کردوں کسی سے نکاح کرلے۔ اور اگر اللہ کی یاد میں اپنی عمر ختم کرنا ہو تو یہاں رہو۔ چونکہ وہ بیوی اُن کے پاس رہ چکی تھی اور صحبت کا اثر اُس کے اندر آ گیا تھا۔ اُس نے کہا کہ میں تو اب کہیں نہیں جاؤں گی، چنانچہ

دونوں میاں بیوی اللہ کی یاد میں رہے۔ اُن کے بعض خاص لوگوں نے پوچھا کہ حضرت یہ کیا بات ہے (اتنی جلدی شادی کرنے کی وجہ کیا تھی حالانکہ پہلے آپ انکار فرماتے تھے؟)۔ فرمایا کہ بات یہ تھی کہ میں سو رہا تھا میں نے دیکھا کہ میدانِ محشر قائم ہے اور پُل صراط پر لوگ گزر رہے ہیں، ایک شخص کو دیکھا کہ اُس سے چلا نہیں جاتا لڑکھڑاتا ہوا چل رہا ہے، اُسی وقت ایک بچہ آیا اور ہاتھ پکڑ کر آناً فاناً (یعنی فوراً) اس کو لے گیا۔ میں نے دریافت کیا کہ یہ کون ہے؟ ارشاد ہوا کہ یہ اِس کا بچہ ہے جو بچپن میں مر گیا تھا یہاں اِس کا رہبر ہو گیا، اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔ مجھے خیال آیا کہ میں اِس فضیلت سے محروم نہ رہوں، شاید بچہ ہی میری نجات کا ذریعہ ہو جائے، اس لیے میں نے نکاح کیا تھا اور میرا مقصود حاصل ہو گیا۔ (الدنیا ملحقہ دُنیا و آخرت ص ۹۸)

بعض اولاد وبالِ جان اور عذاب کا ذریعہ ہوتی ہے :

یاد رکھو جس طرح اولاد ہونا نعمت ہے اسی طرح نہ ہونا بھی نعمت ہے بلکہ جس کے نہ ہوئی ہو یا جس کے ہو کر مر گئی ہو اُس کو اور بھی زیادہ شکر کرنا چاہیے۔

صاحبو! آج کل کی تو اولاد عموماً ایسی ہوتی ہے کہ وہ خدا سے غافل رہنے والی ہوتی ہے، پس جس کے نہ ہو وہ شکر کرے کہ اللہ تعالیٰ نے سب فکروں سے آزاد کیا ہے، اُن کو چاہیے کہ اطمینان سے اللہ تعالیٰ کو یاد کریں۔

بعض لوگوں کے لیے تو اولاد عذابِ جان ہو جاتی ہے۔ جیسے منافقین کے بارے میں حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :

فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَا اَوْلَادُهُمْ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

'' اے محمد (ﷺ) آپ کو اِن کے مال اور اولاد اچھے نہ معلوم ہوں، اللہ تعالیٰ تو یہ چاہتے ہیں کہ اِن مالوں اور اولادوں کی وجہ سے اِن کو اِس دُنیا کی زندگی میں عذاب دیں''۔

واقعی بعض لوگوں کیلیے تو اولاد وبالِ جان ہی ہو جاتی ہے، بچپن میں تو ان کے پیشاب پائخانہ میں نمازیں برباد کرتے ہیں، جب بڑے ہو جاتے ہیں تو ان کے لیے طرح طرح کی فکریں ہو جاتی ہیں کہ ان کے لیے جائیداد ہو روپیہ ہو گھر ہو خواہ دین رہے یا نہ رہے، لیکن جس طرح بن پڑے گا اِن کے لیے دُنیا سمیٹیں گے۔ اور ہر وقت اِسی دُھن میں رہیں گے۔ حلال و حرام میں بھی کچھ تمیز نہ کریں گے۔ پس ایسی اولاد کا نہ ہونا ہی نعمت ہے جن لوگوں کے اولاد نہیں اُن پر خدا کی بڑی نعمت ہے اگر اولاد ہوتی تو اُن کی کیا حالت ہوتی، واللہ اعلم۔ (الدنیا ص ۱۰۰)

جن کے صرف لڑکیاں ہی لڑکیاں ہوں اُن کی تسلی کے لیے ضروری مضمون :

حضرات ! آپ کو خوب یاد ہوگا کہ حضرت خضر علیہ السلام نے جس لڑکے کو قتل کر دیا تھا اُس کے لیے اور اُس کے والدین کے لیے (اِس میں بڑی) مصلحت بھی تھی۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس لڑکے کے قتل ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اُس کے والدین کو ایک لڑکی دی جس کی اولاد میں انبیاء علیہم السلام پیدا ہوئے۔

بتلائے اگر آپ کے لڑکا ہوتا اور ویسا ہی ہوتا جیسا وہ لڑکا تھا جسے حضرت خضر علیہ السلام نے مار ڈالا تھا تو آپ کیا کر لیتے ؟ یہ خدا کی بڑی مصلحت ہے کہ اُس نے آپ کو لڑکیاں دیں کیونکہ عموماً لڑکیاں خاندان کو بدنام نہیں کیا کرتیں اور والدین کی اطاعت بھی خوب کرتی ہیں، اور لڑکے تو آج کل ایسے آزاد ہوتے ہیں کہ خدا کی پناہ۔ ان کے ہونے سے تو نہ ہونا ہی بھلا تھا۔ اب آج کل اگر حضرت خضر علیہ السلام ایسے لڑکوں کو نہیں مارتے تو اللہ تو ذبح کر سکتے ہیں۔ اور اللہ کا پیدا نہ کرنا (یا پیدا کر کے موت دے دینا) یہ بھی ایک گونہ ذبح ہی کے مثل ہے۔

اور جس کو اللہ تعالیٰ کچھ بھی اولاد نہ دیں نہ لڑکا نہ لڑکی، اس کے لیے یہی مصلحت ہے۔ کیونکہ وہ بندوں کی مصلحتوں کو اُن سے زیادہ جانتے ہیں۔ دیکھئے آج ایک شخص بے فکری سے دین کے کام میں لگا ہوا ہے کیونکہ اس کے اولاد نہیں، اب اگر اُس کے اولاد ہو جائے تو کیا خبر ہے اُس وقت یہ بے فکری رہے یا نہ رہے۔ اولاد کے ساتھ ہزاروں فکریں لگی ہوئی ہیں۔ (حقوق البیت ص ۳۶)

اولاد کے پس پُشت مصیبتیں اور پریشانیاں :

عورت کے لیے تو بچہ کا ہونا سخت مصیبت ہے۔ لوگ کہا کرتے ہیں کہ عورت دوبارہ جنم لیتی ہے۔ مگر مرد کے لیے بھی کچھ کم مصیبت نہیں کہ زچہ خانہ کی خبر گیری، گوند، سونٹھ، گھی وغیرہ کے لیے خرچ کی ضرورت ہوتی ہے اور بچہ صاحب جو تشریف لائے ہیں وہ تو مانند پھول اور پان کے ہیں (یعنی نہایت کمزور)، ذرا سے میں کمہلا جاتے ہیں، سرد ہوا لگ گئی تو اینٹھ گئے اور گرم ہوا لگ گئی (یعنی لُو لگ گئی) تو بھڑک اُٹھے۔ کبھی رونا شروع ہوا تو روئے ہی جاتے ہیں اور یہ پتہ نہیں چلتا کہ کیوں روتے ہیں، بچہ حیوان بے زبان ہوتا ہے اپنا دُکھ بیان نہیں کر سکتا۔ علاج بھی قرائن اور قیاس سے (یعنی اندازے سے) کیا جاتا ہے۔ کبھی یہ خیال ہوتا ہے کہ پیٹ میں درد ہو رہا ہے اس واسطے روتا ہے لہٰذا گھٹی دی جاتی ہے اور کبھی خیال ہوتا ہے کہ کان میں درد ہے اس کے واسطے تمباکو کی پیک کان میں ڈلوائی

جاتی ہے، یہ تکلیفیں تو وہ ہیں جو معمولی سمجھی جاتی ہیں اِن کی تدبیریں عورتیں خود ہی کر لیتی ہیں۔

اور کبھی ایسی بیماریاں بچوں کو ہوتی ہیں جو گھر والوں کی سمجھ میں نہیں آتیں اور بڑے بڑے قابل اور تجربہ کار حکیموں اور ڈاکٹروں کی تلاش کرنی پڑتی ہے۔ اور ذرا سے بالشت بھر کے آدمی کے لیے ہزاروں روپیہ خرچ کرنا پڑ جاتا ہے اُس وقت تارے نظر آتے ہیں (دماغ چکرا جاتا ہے)، اور بے ساختہ آدمی کہہ اُٹھتا ہے کہ پہلی اولاد ہوئی تو ہمیں مار دیا، بھلے مانس کا کیا قصور ہے، تو ہی نے تو اِسے بُلایا ہے۔

غرض کہیں ناک دُکھ رہی ہے کہیں آنکھ دُکھ رہی ہے ذرا سا جی اچھا ہوتا ہے تو اپنی جان میں بھی جان آجاتی ہے۔ اور جب اس کی طبیعت خراب ہوتی ہے تو اپنی زندگی بھی تلخ ہو جاتی ہے، بین الرجاء والخوف (یعنی اُمید اور خوف کے درمیان کی زندگی کا لطف آتا ہے اور درجات کی ترقی ہوتی ہے)۔ خیر خدا خدا کر کے لڑکا بڑا ہوا تو اب اُس کی شادی ہوئی۔ پھر اُس کے اولاد ہوئی اور سارا دھندا از سرِ نو شروع ہوا۔ جن تکلیفوں سے خدا خدا کر کے کچھ نجات پائی تھی اب پھر اُن کا آغاز ہوا، اگر اس کے اولاد نہ ہوئی تو اس کا غم کہ اولاد کیوں نہ ہوئی اور اگر ہوئی تو وہ بھی سب ساز و سامان لائی یعنی وہی گُوہ مُوت، وہی بیماری، وہی خرچ، وہی بے چینی، وہی ہر وقت کا شغل۔ غرض سارے غم تازہ ہو گئے یہ عیش و آرام ہے دُنیا کا، اور دنیا کے یہ اشغال ایسے ہیں کہ جن سے کوئی بھی خالی نہیں، حتیٰ کہ لوگوں کی طبیعتیں ان سے ایسی مانوس ہو گئی ہیں کہ اگر یہ نہ ہوں تو طبیعت گھبراتی ہے کہ کوئی شغل نہیں (التبلیغ ج ۲۴ ص ۴۰)

اولاد کی وجہ سے ہزاروں فکریں اور جھمیلے :

اولاد کے ساتھ ہزاروں فکریں لگی ہوئی ہیں، آج کسی کے کان میں درد ہے، کسی کے پیٹ میں درد ہے، کوئی گر پڑا ہے، کوئی گم ہو گیا ہے اور ماں باپ پریشان ہوتے ہیں تو ممکن ہے کہ خدا نے اِس کو اسی لیے اولاد نہ دی ہو کہ وہ اِس کو آزاد رکھنا چاہتے ہوں۔

میرے بھائی ایک کہانی سناتے تھے کہ ایک شخص نے صاحب عیال (بال بچہ والے) سے پوچھا کہ تمہارے گھر خیریت ہے؟ تو بڑا خفا ہوا کہ میاں خیریت تمہارے یہاں ہوگی مجھے بددُعا دیتے ہو؟ ہمارے یہاں خیریت کہاں۔ ماشاء اللہ بیٹے بیٹیاں ہیں، پھر اُن کی اولاد ہے، سارا گھر بچوں سے بھرا ہوا ہے۔ آج کسی کے کان میں درد ہے، کسی کو دست آرہے ہیں، کسی کی آنکھ دُکھ رہی ہے، کوئی کھیل کود میں چوٹ کھا کر رو رہا ہے، ایسے شخص

کے یہاں خیریت ہوگی؟ خیریت تو اُس کے یہاں ہوگی جو منحوس ہو جس کے گھر میں کوئی بال بچہ نہ ہو، ہمارے یہاں خیریت کیوں ہوتی۔

واقعی بچہ کے ساتھ خیریت کہاں، بچپن میں اِن کے ساتھ اس قسم کے رنج اور فکریں ہوتی ہیں اور جب وہ سیانے ہوئے تو اگر صالح (نیک) ہوئے تو خیر اور آج کل اِس کی بہت کمی ہے، ورنہ پھر جیسا وہ ناک میں دم کرتے ہیں معلوم ہے۔ پھر ذرا اور بڑے ہوئے جوان ہوگئے تو ان کے نکاح کی فکر ہے، بڑی مصیبتوں سے نکاح بھی کر دیا تو اب یہ غم ہے کہ اس کے اولاد نہیں ہوتی۔ اللہ اللہ کر کے تعویذوں گنڈوں اور دواؤں سے اولاد ہوئی تو بڑے میاں کی اتنی عمر ہوگئی کہ پوتے بھی جوان ہوگئے۔ اب بچہ ان کو بات بات میں بیوقوف بناتا ہے اور ان کی خدمت کرنے سے اُکتاتا ہے۔ اور بیٹے پوتے منہ پر (سامنے ہی) کوری کوری (کھری کھری) سناتے ہیں اور یہ بیچارے معذور ایک طرف پڑے ہیں۔ یہ اولاد کا پھل ہے، تو پھر خوامخواہ لوگ اس کی تمنّائیں کرتے ہیں (حقوق البیت ص ۳۷)

جن کے اولاد نہ ہوتی ہو، اُن کی تسلی کے لیے عجیب مضمون :

میرے اُستاد مولانا سیّد احمد صاحب دہلویؒ کے ماموں مولانا سیّد محبوب علی صاحب جعفری کے کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔ ایک دفعہ وہ غمگین بیٹھے تھے میرے اُستاد نے پوچھا اور یہ ان کے لڑکپن کا زمانہ ہے کہ آپ غمگین کیوں ہیں؟ کہا مجھے اس کا رنج ہے کہ بڑھاپا آ گیا اور میرے اب تک اولاد نہیں ہوئی۔ اُستاد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا سبحان اللہ! یہ خوشی کی بات ہے یا غم کی؟ انہوں نے کہا کہ یہ خوشی کی بات کیسے ہے؟ فرمایا یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے کہ آپ کے سلسلۂ نسل (خاندان) میں آپ ہی اصل مقصود ہیں اور (آپ کے) تمام آباؤ اجداد مقصود بالغیر (یعنی ذریعہ ہیں) بخلاف اولاد والوں کے کہ وہ خود مقصود نہیں ہیں بلکہ اُن کو تو غم کے واسطے پیدا کیا گیا ہے۔

دیکھئے گیہوں دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جن کو کھانے کے لیے رکھا جاتا ہے دوسرے وہ جو تخم (بیج) کے لیے رکھے جاتے ہیں، تو اِن دونوں میں مقصود وہ ہے جو کھانے کے لیے رکھا جاتا ہے، کھیت بونے سے مقصود یہی گیہوں تھے۔ اور جس کو تخم (بیج) کے واسطے رکھتے ہیں وہ مقصود نہیں بلکہ وہ واسطہ ہیں مقصود کے۔ اسی طرح جس کے اولاد نہ ہو آدم علیہ السلام سے لے کر اِس وقت تک ساری نسل میں مقصود وہی تھا اور سب (آباؤ اجداد) اس کے وسائل (ذرائع) تھے اور جن کے اولاد ہوتی ہے وہ خود مقصود نہیں ہیں بلکہ تخم (بیج) کے لیے رکھے گئے ہیں تو واقعی ہے تو یہ علمی مضمون، بے اولادوں کو اپنی حسرت اس مضمون کو سوچ کر ٹالنی چاہیے۔

اور اگر اس سے بھی حسرت نہ جائے تو دُنیا کی حالت دیکھ کر تسلی کر لیا کریں کہ جن کے اولاد ہے وہ کس مصیبت میں گرفتار ہیں اور اِس سے بھی تسلی نہ ہو تو یہ سمجھ لیں کہ جو خدا کو منظور ہے وہی میرے واسطے خیر ہے، نہ معلوم اولاد ہوتی تو کیسی ہوتی۔ اور یہ بھی نہ کر سکیں تو کم از کم یہ تو سمجھے کہ اولاد نہ ہونے میں بیوی کی کیا خطا ہے۔ (حقوق البیت ملحقہ حقوق الزوجین ص ۳۸)

انسان

آدمی کا جسم کیا ہے جس پہ شیدا ہے جہاں
ایک مٹی کی عمارت ایک مٹی کا مکاں
خون گارا ہے اس میں اور اینٹیں ہڈیاں
چند سانسوں پر کھڑا ہے یہ خیالی آسماں
موت کی پُر زور آندھی جب آن ٹکرائے گی
دیکھ لینا یہ عمارت ٹوٹ کر گر جائے گی

درسِ حدیث

حضرت مولانا سید محمود میاں صاحب (مہتمم جامعہ مدنیہ جدید) ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتہ کو بعد از نمازِ عصر شام 5:30 بمقام 537-A فیصل ٹاؤن نزد جناح ہسپتال مستورات کو حدیث شریف کا درس دیتے ہیں۔ خواتین کو شرکت کی عام دعوت ہے۔ (ادارہ)

قسط : ۲

دُعاؤں کے فضائل وترغیب میں رسول ﷺ کے ارشادات

﴿ حضرت مولانا مفتی محمد ارشاد القاسمی ﴾

دُعا نجات اور فراوانی رزق کا باعث ہے :

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا: میں تم کو ایسی چیز نہ بتادوں جو تم کو تمہارے دشمنوں سے نجات دے اور تم پر رزق کی فراوانی کرے کہ تم شب و روز دُعا میں لگے رہو، دُعا مومن کا ہتھیار ہے۔ (ابویعلیٰ، ترغیب ص ۴۸۳ ج ۲)

دُعا کا چھوڑ دینا گناہ ہے :

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی پاک ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ دُعا کا چھوڑنا گناہ ہے۔ (طبرانی، مجمع ص ۱۴۶ ج ۱۰)

عاجز کون؟ :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگوں میں بخیل وہ ہے جو سلام سے بخل کرے اور لوگوں میں عاجز (کمزور) وہ ہے جو دُعا نہ کرے۔

تارکِ دُعا پر خدا کی ناراضگی :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: جو دُعا نہیں کرتا اللہ پاک اُس پر غصہ (ناراض) ہوتے ہیں۔ (ابن ابی شیبہ ص ۲۰۰ ج ۱۰)

دُعا ہی باعثِ نجات ہے :

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ اُس میں دُعا کے علاوہ کسی سے نجات نہ ہوگی جیسے ڈوبتے کے لیے دُعا۔ (ابن ابی شیبہ ص ۲۰۱ ج ۱۰)

فائدہ : یعنی سارے اسبابِ مادیہ ختم ہو جائیں گے، اُس وقت دُعا ہی ایک سہارا رہے گا۔ چنانچہ آج ہمارے دیار پر یہ بات صادق آتی ہے، نہتے مسلمانوں پر اعداء اسلام اسبابِ مادیہ سے لیس ہو کر حملے کرتے ہیں۔ اِس وقت دُعا کے علاوہ کوئی تدبیر نہیں کارگر ہو سکتی چنانچہ ایسے موقع پر دُعاؤں سے یہ جان و مال و عزت آبرو کی خدائی غیبی قوت و نصرت سے حفاظت ہوتی ہے۔

مدد کے دروازے کھلیں گے :

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دُعا کرتے رہو، زیادہ دروازہ کھٹکھٹایا جائے گا تو کھلنے کی اُمید ہوگی۔ (ابن ابی شیبہ ص ۲۰۲ ج ۱۰)

دُعا کی توفیق قبولیت کی علامت ہے :

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: جب اللہ پاک کسی بندے کی دُعا کو قبول کرنا چاہتا ہے تو اُسے دُعا کی توفیق دیتا ہے۔ (دَیلمی، کنز العمال ص ۴۲ ج ۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ پاک کسی کو دُعا کی اجازت نہیں دیتا تاوقتیکہ قبولیت کا حکم نہیں ہوتا۔ (الدعاء ص ۴۰ ج ۲)

دُعاء عبادت ہے :

حضرت براء رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: دُعا عبادت ہے۔ (ترمذی ص ۱۷۳ ج ۲ ، ترغیب ص ۴۲ ج ۲)

دُعاء کرنے والے کے ساتھ خدا کی معیت :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا : میں بندہ کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ دُعا کرتا ہے۔ (مسندِ احمد ص ۲۶۸ ج ۱۴ ۔ الدعاء ص ۱۸)

اللہ تعالیٰ کو دُعاء پسند ہے :

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے اُس کا فضل مانگو، اللہ پاک چاہتا ہے بندہ مجھ سے مانگے۔ (الدعاء ص ۲۲ ج ۲) (جاری ہے) ۞۞۞۞۞

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ

﴿ محمد عمر فاروق احمد پوری، متعلم جامعہ مدنیہ جدید ﴾

چھٹی صدی ہجری کے عالم بے مثال اور متکلم اسلام جنہوں نے یونانی فلسفے کی عقلی موشگافیوں کا مقابلہ فلسفیانہ اور اِستدلالی انداز میں کیا اور اسلام کی حقانیت کو عقل و نقل ہر اعتبار سے ثابت کیا۔

امام فخر الدین رازیؒ ملتِ اسلامیہ کے اُن جلیل القدر علماء اور مفسرینِ قرآن میں سے ہیں جن کی ''تفسیر کبیر'' چار دانگ عالم میں مشہور و مقبول ہے اور تفسیر قرآن کا کوئی طالب علم اِس سے مستغنی نہیں ہوسکتا۔ وہ اپنے زمانہ کے مایۂ ناز فلسفی، متکلم اور حکیم بھی تھے، مفسر قرآن اور فقیہ بھی، جلیل القدر صوفی اور واعظ و خطیب بھی، اور ایک ایسے شاعر و مصنف بھی جن کی متنوع تصانیف رہتی دُنیا تک انسانیت کی رہنمائی کریں گی۔

امام رازیؒ کا نام محمد اور لقب فخر الدین تھا، ہرات میں انہیں ''شیخ الاسلام'' کے لقب سے پکارا جاتا تھا، خراسان کے شہر ''رے'' کا ایک زمانے میں انتہائی مردم خیز شہروں میں شمار ہوتا تھا جہاں بڑی بڑی صاحبِ علم و فضل شخصیتیں پیدا ہوئیں۔ اس شہر کے باشندوں کو ''رازی'' کہا جاتا ہے۔ امام فخر الدین رازیؒ اسی شہر میں ۲۵ رمضان ۵۴۳ھ یا ۵۴۴ھ کو پیدا ہوئے (ابن خلکان ج ۱ ص ۴۷۶)۔ امام رازیؒ نے ابتدائی علوم اپنے والد ماجد علامہ ابوالقاسم ضیاء الدین رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کیے۔ اس کے بعد خراسان کے مشاہیر اہلِ علم سے استفادہ کرتے ہوئے مروجہ علوم کی تکمیل فرمائی۔ اُس زمانے میں یونانی فلسفے کا بڑا چرچا تھا، اور بہت سے لوگ اس فلسفے کے زیرِ اثر دین کے بعض عقائد میں شکوک و شبہات میں مبتلا ہو رہے تھے۔ اس لیے اُس دور کے علماء نے یونانی فلسفے کا پوری ژرف نگاہی سے مطالعہ کر کے اِس کی تردید کے لیے علمِ کلام کے نام سے ایک مستقل علم کی بنیاد ڈالی جس میں اسلام کے عقائد کو خالص عقلی اور فلسفیانہ دلائل سے ثابت کیا جاتا تھا اور یونانی فلسفے نے جو عقلی مغالطے پیدا کر رکھے تھے اُن کی مفصل تردید کی جاتی تھی۔ امام فخر الدین رازیؒ نے اِسی علمِ کلام کو اپنا خصوصی موضوع بنایا اور اس میں جو علماء فلسفہ و کلام میں بطورِ خاص مشہور تھے، اُن سے تمام عقلی علوم کی خصوصی تربیت حاصل کی۔ امام رازیؒ نے اپنی تنگ دستی اور افلاس کے باوجود حصولِ علم کے لیے بڑے بڑے سفر کیے، اور اس غرض کے لیے مشقت برداشت کی۔ اِسی دوران انہوں نے ایسے لوگوں سے بڑے معرکۃ الآراء اور کامیاب مناظرے کیے

جو یونانی فلسفے سے مرعوب ہو کر اسلامی عقائد میں کتر بیونت کرنا چاہتے تھے۔ ان کے مناظرات کا ایک مجموعہ کتابی شکل میں شائع بھی ہو چکا ہے، اس میں وہ خود لکھتے ہیں :

''میں نے ماوراء النہر کے جنوبی علاقوں کا سفر کیا تو سب سے پہلے شہر بخارا پھر سمرقند پہنچا، وہاں سے خجند اور خجند سے ناکت کا سفر کیا، اور اِن تمام شہروں کے سربرآوردہ اور افاضل سے مجھے مناظرات کا اتفاق ہوا۔ (مناظراتِ امام رازیؒ ص ۱۲، طبع دکن)

رفتہ رفتہ امام رازیؒ کا دورِ افلاس ختم ہوا اُن کے علم و فضل اور قوتِ استدلالی کی شہرت دُور دُور پھیل گئی، وہ جس شہر میں جاتے وہاں کے علماء و صلحاء اور اُمراء و سلاطین اِن کی زیارت کو قابل فخر سمجھتے تھے۔ اُس زمانہ میں ہندوستان پر سلطان شہاب الدین غوری اور خراسان پر اُن کے بھائی سلطان غیاث الدین غوری کی حکومت تھی۔ اِن دونوں بھائیوں نے امام رازیؒ کا شہرہ سنا تو اُن کی بڑی قدر کی۔ سلطان غیاث الدین نے ہرات میں جامع مسجد کے قریب اُن کے لیے ایک بڑا مدرسہ بنوادیا جس میں دُور دراز کے طلباء امام رازیؒ کے علم و فضل سے مستفید ہوتے تھے۔ امام رازیؒ نے ایک زمانہ میں مستقلاً سلطان شہاب الدین غوری کے لشکر میں قیام فرمایا تھا جہاں وہ ہر ہفتے وعظ کہا کرتے تھے اور اُن کے وعظ میں اکثر سلطان خود شریک ہوتا تھا۔ ایک روز وعظ کے دوران امام رازیؒ نے براہِ راست سلطان سے مخاطب ہو کر کہا کہ : ''اے سلطان! نہ تیرا اقتدار قائم رہے گا، نہ رازی کا تملق و نفاق باقی رہے گا''۔ اِس پر سلطان زار و قطار رونے لگا۔ (منتخب التواریخ)

اُدھر سلطان علاء الدین خوارزمی نے جو عراق سے لے کر ترکستان تک ایک وسیع مملکت پر حکومت کرتا تھا امام رازیؒ کی بہت قدر کی، اپنے شہزادے محمد بن تکنش کو ان کا شاگرد بنایا، چنانچہ جب محمد بن تکنش بادشاہ بنا تو اُس نے امام رازیؒ کو اپنے دربار میں سب سے زیادہ بلند مقام دیا (ابن خلکان ج ۱ ص ۴۷۵)۔ اس کے باوجود امام رازیؒ بادشاہوں کے سامنے حق کی تبلیغ سے نہیں چوکتے تھے۔ مال و دولت اور جاہ و منصب کے اعزازات حاصل کرنے کے بعد اگرچہ وہ شاہانہ زندگی بسر کرنے لگے تھے لیکن اُن کے علمی مشاغل میں کوئی کمی نہیں آئی، اور درس و تدریس کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ اُن کے شاگردوں کی کثرت کا یہ عالم تھا کہ جب اُن کی سواری چلتی تو تین سو شاگرد ساتھ چلتے تھے۔ امام رازیؒ کے زمانہ میں ہرات میں حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ اُونچے درجے کے اولیاء اللہ میں سے تھے، امام رازیؒ ہرات پہنچے تو سارا شہر اُن سے ملاقات کے لیے اُمڈ آیا، لیکن شیخ نجم الدین

کبریٰ ؒ تشریف نہ لائے، پھر اتفاق سے ایک دعوت میں دونوں کی ملاقات ہوگئی۔ امام رازیؒ نے شیخ سے پوچھا آپ مجھ سے ملاقات کے لیے کیوں تشریف نہیں لائے؟ اِس کے جواب میں شیخ نجم الدین کبریٰ ؒ نے فرمایا کہ ''میں ایک فقیر آدمی ہوں، نہ میری ملاقات سے کسی کو کوئی عزت حاصل ہوسکتی ہے اور نہ دُور رہنے سے کسی میں کوئی نقص پیدا ہوتا ہے''۔ امام رازیؒ یہ جواب سن کر چونکے اور فرمایا کہ ''یہ جواب تو اہلِ ادب یعنی صوفیاء کا جواب ہے اب آپ مجھ سے حقیقتِ حال بیان فرمایئے''۔ حضرت شیخ نجم الدین کبریٰؒ نے فرمایا! ''آپ کا سرمایۂ فخر علم ہے، لیکن خدا کی معرفت تمام علوم کا سرچشمہ ہے۔ ذرا مجھے یہ بتایئے کہ آپ نے خدا کو کیسے پہچانا؟''۔ امام رازیؒ نے کہا ''سو دلیلوں سے''، شیخ نے جواب دیا۔ ''دلیل کی ضرورت تو وہاں ہوتی ہے جہاں پہلے کچھ شک ہو، اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں یقین کا ایسا نور عطا فرمادیا ہے کہ شک پاس نہیں پھٹک سکتا، اس لیے مجھے دلیل کی ضرورت نہیں''۔ حضرت شیخ کی اس بات نے امام رازی ؒ کو اپنے اپنا گرویدہ بنادیا اور بالآخر وہ اِن کے دستِ مبارک پر بیعت ہو گئے اور اپنی باطنی تربیت کے لیے اپنے آپ کو اِن کے حوالے کے دیا۔ (مفتاح السعادۃ)

شیخ نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ سے تربیت حاصل کرنے کے بعد امام رازیؒ ظاہری اور باطنی دونوں قسم کے علوم سے مالا مال ہوئے اور اُن کی تحریر و تقریر میں مناظرانہ قوتِ استدلال کے ساتھ واعظانہ سوز و گداز بھی پیدا ہو گیا۔ ابن خلکانؒ اور علامہ سبکیؒ نے لکھا ہے کہ انہیں وعظ گوئی میں کمال حاصل تھا اور وہ عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں وعظ کہتے تھے (طبقات الشافعیہ)۔ امام رازیؒ کی تصانیف کی تعداد اسّی سے متجاوز ہے اور اِن میں سے بعض کتابیں کئی کئی جلدوں پر مشتمل ہیں۔ ان کے ابتدائی دور کی کتابیں زیادہ تر علمِ کلام، فلسفہ، منطق اور فلکیات وغیرہ سے متعلق ہیں۔ امام رازی ؒ کو فلسفہ اور منطق میں مجتہدانہ بصیرت حاصل تھی، چنانچہ انہوں نے اپنی تصانیف میں فکر اور فلسفہ کے نئے طریقے وضع کیے، عقلی تحقیقات کے لیے بالکل نئی راہیں کھولیں، جن بے دین فلاسفہ کا سکہ ذہنوں پر جما ہوا تھا، اُن کی عقلی غلطیوں کو واشگاف کر کے اُن کے نظریات کی چولیں ہلا دیں، اور اسلامی عقائد کو خالص عقلی استدلال سے ثابت کر کے یہ حقیقت واضح کر دی کہ اسلام کا ہر عقیدہ اور اُس کی ہر تعلیم عقلِ سلیم کے عین مطابق ہے۔ پھر امام رازیؒ کا ایک کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے دقیق فلسفیانہ مباحث کو آسان کر کے پانی کر دیا۔ پہلے مباحث صرف فلاسفہ ہی سمجھتے تھے لیکن فلسفہ کو آسان اسلوب میں بیان کرنے کا جو کام امام غزالی ؒ نے شروع کیا تھا، امام رازیؒ نے اُسے کمال تک پہنچا دیا۔

امام رازیؒ کی سب سے آخری تصنیف ''تفسیر کبیر'' ہے جو آٹھ ضخیم جلدوں میں مکمل ہوئی ہے اور بلاشبہہ اُن کے علم وفضل کا زبردست شاہکار ہے اور اپنی گوناگوں خصوصیات کی بناء پر اِس کا شمار صفِ اول کی اُن عظیم تفسیروں میں ہوتا ہے جنہیں اپنے بعد کی تقریباً ہر تفسیر کے لیے مأخذ کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ اس تفسیر کی سب سے پہلی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ہر آیت کی لغوی اور معنوی تشریح بڑے مرتب، مربوط اور دلنشیں انداز میں کی گئی ہے، اور امام رازیؒ سے پہلے مفسرین نے اس آیت کی تشریح میں جو کچھ کہا ہے اُس کا خلاصہ ایسی وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ اُس کے سمجھنے میں کوئی گنجلک باقی نہیں رہتی۔ تفسیر کبیر کی دُوسری اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں قرآنی آیات کی بلاغت اور اُن کا باہم ربط ایسے برجستہ بے تکلف اور بے ساختہ انداز میں بیان کیا گیا ہے کہ اس سے اسلوبِ قرآنی کے اعجاز کا سکّہ بیٹھتا چلا جاتا ہے۔ اس تفسیر کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ قرآنی آیات سے زندگی کے مختلف شعبوں میں جو احکام نکلتے ہیں امام رازیؒ نے اُن کو پوری تفصیل کے ساتھ خوب کھول کر بیان کیا ہے، اور اُن کی حکمتوں اور مصلحتوں پر بڑی محققانہ بحث کی ہے۔ اس تفسیر کی چوتھی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ امام رازیؒ عقلی شبہات کے مریضوں کی نفسیات سے خوب واقف ہیں اس لیے قرآنی آیات سے استفادے کے دوران جو نام نہاد عقلی شبہات بعض لوگوں کے دل میں پیدا ہوتے ہیں اُن کو امام رازیؒ بڑے دلنشیں پیرائے میں حل فرماتے ہیں پھر تفسیر کبیر کا سب سے زیادہ ممتاز پہلو اس کے عقلی اور کلامی مباحث ہیں۔

امام رازیؒ جس زمانہ سے تعلق رکھتے ہیں، وہ منطق اور فلسفہ کے زور وشور کا زمانہ تھا، یونانی فلاسفہ کے نظریات نے بہت سے ذہنوں کو مسموم کر رکھا تھا اور اُن سے مرعوب ومتاثر ہو کر بہت سے لوگوں نے اسلامی عقائد میں کتر بیونت شروع کی ہوئی تھی، اور اس کے نتیجے میں بہت سے باطل فرقے پیدا ہو گئے تھے جو قرآن وسنت کی غلط تاویلات کر کے مسلمانوں کو گمراہ کر رہے تھے، امام رازیؒ نے اپنی تفسیر میں ایسے لوگوں کی تردید پر بطورِ خاص زور دیا اور جس جس آیت میں جس جس باطل فرقے نے کوئی تحریف کی تھی، عقلی اور نقلی ہر اعتبار سے اُس کی مدلل تردید کر کے اسلامی عقائد کو بالکل بے غبار کر دیا۔ تفسیر کبیر میں اس قسم کے مباحث بسا اوقات بہت طویل ہو گئے ہیں اور امام رازیؒ اِن پر بحث کرتے کرتے بعض اوقات بہت دُور نکل جاتے ہیں، اسی لیے بعض لوگوں نے ان کی تفسیر پر یہ فقرہ چست کر دیا کہ ''اِس میں تفسیر کے سوا سب کچھ ہے'' لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ فقرہ تفسیر کبیر پر بہت بڑا ظلم ہے، جہاں تک قرآنی مضامین کی تشریح وتوضیح کا تعلق ہے، امام رازیؒ اپنی حد تک اِس میں کوئی کمی نہیں

چھوڑتے لیکن ان مباحث سے فارغ ہونے کے بعد وہ اپنے زمانہ کے حالات کے مطابق عقلی مباحث کا بھی حق ادا کرتے ہیں اور یہ اُن کی تفسیر کا کوئی نقص نہیں بلکہ قابل فخر امتیاز ہے۔ ہاں دُرست یہ ہے کہ محدثین کی تصریح کے مطابق ایک تو اُن کی تفسیر میں بعض کمزور روایات راہ پا گئی ہیں، دوسرے بعض جگہ انہوں نے جو احادیث پر گفتگو کی ہے وہ جمہور علماء کے نقطۂ نظر سے دُرست نہیں ہے۔ لیکن اس دنیا میں کسی کا کام خامیوں سے بالکل پاک نہیں ہوتا، مجموعی حیثیت سے تفسیر کبیر ہمارا ایسا عظیم سرمایہ ہے جو پوری اُمت کے لیے قابل فخر ہے۔ امام رازیؒ کی رفتار تصنیف بھی حیرت انگیز تھی۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایئے کہ انہوں نے سورۃ حٰمٓ السجدۃ کی تفسیر کل دو روز میں مکمل کی، اس سورت کی تفسیر باریک ٹائپ اور بڑے سائز کے چالیس صفحات پر مشتمل ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک دن میں بیس صفحات تصنیف کیے۔

سورۃ توبہ کی تفسیر جو ۱۹۳ صفحات پر مشتمل ہے، صرف چودہ روز میں مکمل ہوئی یعنی چودہ صفحات روزانہ لکھے گئے۔ حالانکہ آج ایک دن میں اِس سائز کے چودہ صفحات کو صرف نقل کرنا بھی نہایت مشکل ہے۔ امام رازیؒ کی ساری زندگی منطق، فلسفہ اور عقلیات میں بسر ہوئی اور انہوں نے اس دائرے میں مجتہدانہ کارنامے انجام دیئے لیکن عمر بھر کے تجربے کے بعد انہوں نے اپنے وصیت نامے میں ایک ایسا جملہ لکھا ہے جو ہر عقل پرست کے یاد رکھنے کے لائق ہے، فرماتے ہیں کہ :

''میں نے فلسفیانہ اور متکلمانہ طرزِ استدلال کو جانچا ہے، لیکن جو فائدہ میں نے قرآن مجید میں پایا ہے، وہ فلسفیانہ اور متکلمانہ طریقہ میں نہیں پایا''۔ (طبقات)

نیز حافظ ابن حجرؒ نے لسان المیزان میں لکھا ہے کہ ''امام رازیؒ علم الکلام میں مہارت کے باوجود کہا کرتے تھے کہ جو شخص بوڑھی عورتوں کے دین کا پابند ہو وہی کامیاب ہے''۔

امام رازیؒ نے اپنی تفسیر سورۃ فتح تک لکھی تھی کہ ۶۰۶ھ میں ٹھیک عید کے روز تریسٹھ سال کی عمر میں وفات پا گئے اور ہرات میں مدفون ہوئے۔ تفسیر کے باقی تقریباً ساڑھے چار پارے ایک دوسرے بزرگ قاضی شہاب الدین الخوبیؒ نے مکمل کیے (کشف الظنون)۔

۞۞۞

دینی مسائل

﴿ بیمار کی نماز کا بیان ﴾

مریض کا قبلہ رُخ ہونے پر قادر نہ ہونا :

مسئلہ : مریض اگر قبلہ کو پہچانتا ہو لیکن قبلہ کی طرف منہ کرنے پر قادر نہیں اور ایسا کوئی شخص نہیں ملتا جو اُس کا منہ قبلہ کی طرف پھیر دے تو اسی طرح نماز پڑھے اور پھر اس نماز کا اعادہ نہ کرے۔

مسئلہ : اور اگر کوئی ایسا شخص مل گیا جو اُس کا منہ قبلہ کی طرف پھیر دے تو اُس کو کہے کہ میرا منہ قبلہ کی طرف کو پھیر دے۔ اگر اُس کو حکم نہ کیا اور قبلہ کے سوا کسی اور طرف کو نماز پڑھی تو جائز نہیں ہوگی۔

مریض کے بچھونے (بستر) کا نجس ہونا :

مسئلہ : مریض نجس بچھونے پر ہو تو اگر پاک بچھونا نہیں ملتا یا ملتا ہے لیکن کوئی ایسا شخص نہیں جو اِس کا بچھونا بدل دے اور مریض خود اُٹھنے کے قابل نہ ہو تو نجس بچھونے پر نماز پڑھ لے اور اس کا اعادہ نہ کرے۔ اور اگر ایسا شخص مل جائے جو اُس کا بچھونا بدل دے تو چاہیے کہ اُس کو کہے اور اگر نہ کہا اور نجس بچھونے پر نماز پڑھ لی تو نماز جائز نہیں ہوگی۔

مسئلہ : کسی مریض کے کپڑے اور بستر کی چادر نجس ہوں تو اگر مریض کا یہ حال ہو کہ جو چادر بدل کر اُس کے نیچے بچھائی جائے گی وہ اُس کے وضو اور نماز سے فارغ ہونے سے قبل اس قدر نجس ہو جائے گی جو نماز سے مانع ہے تو چادر بدلے بغیر ہی نماز پڑھ لے۔

مسئلہ : اگر بیمار کا بستر نجس ہے اور اُس کے بدلنے میں بہت تکلیف ہوگی تو اِسی پر نماز پڑھ لینا درست ہے۔

جنون، بے ہوشی اور نشہ کی حالت میں نماز کے مسائل :

مسئلہ : اگر کوئی شخص پانچ نمازوں کے وقت تک بے ہوش رہا تو اُن نمازوں کو قضا کرے۔

مسئلہ : اور اگر بے ہوشی پانچ نمازوں سے بڑھ جائے یعنی چھ نمازیں ہو جائیں تو اب اِن نمازوں کو قضا نہ کرے کیونکہ یہ حرج کے سبب سے اُس سے ساقط ہو گئیں۔ لیکن ترکِ قضا کا یہ حکم اُس وقت ہے جبکہ بے ہوشی

برابر رہے اور اِس مدت کے دوران کبھی افاقہ نہ ہو۔

لیکن اگر افاقہ ہوتا ہو اور افاقہ کا ایک وقت مقرر ہے مثلاً روزانہ صبح کے وقت میں مرض میں تخفیف ہو جاتی ہے اور کچھ ہوش آجاتا ہے اور تھوڑی دیر افاقہ ہو جاتا ہے پھر اس کے بعد وہ مرض لوٹ آتا ہے اور مریض دوبارہ بے ہوش ہو جاتا ہے تو اِس افاقہ کا اعتبار کیا جائے گا اور اِس افاقہ سے پہلے اگر بے ہوشی ایک دن رات سے کم تھی تو بے ہوشی کا حکم باطل ہو جائے گا اور اِن نمازوں کی قضا واجب ہوگی۔ اور اگر افاقہ کا وقت مقرر نہ ہو بلکہ کبھی یکا یک افاقہ ہو جاتا ہے اور تندرستوں کی سی باتیں کرتا ہے پھر بیہوش ہو جاتا ہے تو اِس افاقہ کا اعتبار نہیں یعنی یہ بے ہوشی متصل اور لگاتار سمجھی جائے گی۔

مسئلہ : جنون کا بھی یہی حکم ہے۔

مسئلہ : اگر کسی درندہ، جانور یا آدمی کے خوف یا سخت بیماری سے ایک دن رات سے زیادہ بیہوش رہا تو اِس سے قضا ساقط ہو جائے گی۔

مسئلہ : اگر شراب پی اور اُس کے نشے کی وجہ سے ایک دن رات سے زیادہ عقل جاتی رہی تو نماز ساقط نہیں ہوگی خواہ بے عقلی کتنے ہی زیادہ زمانے تک رہے اور خواہ شراب دوائی سمجھ کر پی ہو یا کسی نے مجبور کر کے پلا دی ہو، تب بھی قضا واجب ہے کیونکہ بندوں کے فعل سے اللہ تعالیٰ کا حق ساقط نہیں ہوتا۔

مسئلہ : یہی حکم آپریشن کے لیے بیہوش کرنے میں بھی ہے۔

مسئلہ : اسی طرح اگر اجوائن خراسانی یا کوئی اور دوائی پی جس سے ایک دن رات سے زیادہ عقل دُرست نہ رہی تو اِس سے نماز ساقط نہیں ہوگی اِس لیے سب وقتوں کی قضا نماز پڑھے۔

مسئلہ : اگر ایک دن رات سے زیادہ سوتا رہا تو یہ سب نمازیں قضا کرے کیونکہ عادتاً ایک دن رات سے زیادہ کوئی نہیں سوتا۔

مسئلہ : اگر کوئی مریض ایسی حالت کو پہنچ گیا کہ غنودگی وغیرہ کی وجہ سے اُس کو رکعتوں کا شمار اور رکوع وسجود وغیرہ یاد نہیں رہتا تو اُس پر اُس وقت کی نمازوں کا ادا کرنا ضروری نہیں بلکہ صحت کے بعد اُن کی قضا پڑھ لے لیکن اگر کوئی شخص اُس کو بتلاتا جائے اور وہ پڑھ لے تو جائز ہے۔

تنبیہ : یہ بتلانا تعلیم نہیں بلکہ یاد دہانی اور خبردار کرنا ہے، اس لیے یہ نماز کو فاسد نہیں کرتا۔

مسئلہ : یہی حکم اُس شخص کا ہے جس کی عقل میں زیادہ بڑھاپے کے سبب فتور آ گیا ہو اور رکعتوں کی تعداد اور رکوع وسجود وغیرہ یاد نہ رکھ سکتا ہو تو دُوسرے شخص کے بتلانے سے اِس کی نماز دُرست ہو جائے گی اور اگر کوئی بتلانے والا نہ ملے تو اپنی غالب رائے پر عمل کرے۔

متفرق مسائل :

مسئلہ : مریض اپنی نماز میں قرأت وتسبیح اور تشہد و دُرود ودُعا اِسی طرح پڑھے جیسے تندرست پڑھتا ہے۔ اگر اِن سب یا کچھ سے عاجز ہو تو چھوڑ دے۔ تندرست اور مریض میں صرف اُن چیزوں میں فرق ہے جن میں مریض عاجز ہے اور جن پر مریض قادر ہے اُن کا حکم اُس پر تندرست کی مانند ہے۔

مسئلہ : فالج گرا اور ایسا بیمار ہو گیا کہ پانی سے استنجا نہیں کر سکتا تو کپڑے یا ڈھیلے سے صاف کر لے اور اِسی طرح نماز پڑھے۔ اگر خود تیمّم نہ کر سکے تو دوسرا تیمّم کرا دے۔ اگر ڈھیلے یا کپڑے سے بھی صاف کرنے کی طاقت نہیں ہے تو بھی نماز قضا نہ کرے، اسی طرح نماز پڑھے۔ کسی اور کو اِس کے بدن کا دیکھنا اور صاف کرنا درست نہیں، نہ ماں باپ کو، نہ بیٹے بیٹی کو، البتہ بیوی کو اپنے میاں اور میاں کو اپنی بیوی کا بدن دیکھنا درست ہے، اس کے سوا کسی اور کو درست نہیں۔ مریض کے ستر کے حصے سے نجاست دھونے کی ضرورت پڑے تو موٹا کپڑا مریض کے جسم پر رکھ کر اُس کے اندر سے اپنے ہاتھوں پر موٹا کپڑا لپیٹ کر دھو دیں۔ اسی طرح سے مریض کے زیرِ ناف بال بھی دُور کیے جا سکتے ہیں۔

مسئلہ : اگر کسی کی بیوی ایسی بیمار ہو کہ خود وضو نہ کر سکے تو خاوند پر اُس کو وضو کرانا واجب نہیں ہے، اسی طرح اگر خاوند ایسا بیمار ہو تو بیوی پر اُس کو وضو کرانا واجب نہیں ہے۔ لیکن اگر بیوی خاوند سے یا خاوند بیوی سے امداد طلب کرے اور وہ مدد کرے تو وضو کرنا فرض ہے اور تیمّم جائز نہیں، اگرچہ امداد کرنا اُن پر واجب نہیں تھا۔

مسئلہ : اگر کوئی شخص ایسا بیمار ہے کہ نماز کے کسی خاص رُکن پر بغیر حدث ہوئے قادر نہ ہو تو وہ رُکن اِس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا یعنی وہ حدث نہ کرے بلکہ اُس رکن کو چھوڑ دے۔ پس اگر کسی شخص کے زخم ہو اور اس کی وجہ سے جب وہ سجدہ کرتا ہے تو زخم بہنے لگتا ہے اور اس کے علاوہ رکوع وقیام اور قرأت پر قادر ہے تو اُس کو چاہیے کہ بیٹھ کر اشاروں سے نماز پڑھے یہی مستحب وافضل ہے۔ لیکن اگر قیام وقرأت اور رکوع کھڑے ہو کر کرے اور سجدہ بیٹھ کر اشارہ سے ادا کرے تب بھی جائز ہے لیکن افضل نہیں۔

اسی طرح اگر کوئی شخص ایسا ہو کہ کھڑے ہو کر نماز پڑھے گا تو اُس کو پیشاب جاری ہو جائے گا یا قطرہ آجائے گا یا زخم بہنے لگے گا یا قرأت بالکل یعنی بقدرِ فرض بھی نہ کر سکے گا، اور اگر بیٹھ کر نماز پڑھے گا تو کوئی حرج نہ ہوگا تو اُس پر فرض ہے کہ بیٹھ کر نماز پڑھے جبکہ اِس عذر کو کسی اور طرح سے نہ روک سکے۔

اگر کسی کو بیٹھ کر نماز پڑھنے سے پیشاب یا زخم سے خون جاری ہوتا ہو اور لیٹنے سے کچھ جاری نہ ہوتا ہو تو اس کو چاہیے کہ بیٹھ کر رکوع و سجود کے ساتھ نماز ادا کرے۔

مسئلہ : اگر کسی کے دانتوں میں درد ہوتا ہو اور منہ میں سرد پانی یا کوئی دوا ڈالے بغیر سکون نہ ہوتا ہو تو اُس کو چاہیے کہ اگر کوئی شخص امامت کے لائق مل جائے تو اُس کے پیچھے نماز پڑھ لے ورنہ اِسی حالت میں یعنی منہ میں دوائی رکھے ہوئے خود ہی نماز پڑھ لے اور قرأت وغیرہ نہ کرے۔

مسئلہ : مریض کے واسطے مستحب ہے کہ جمعہ کے روز ظہر کی نماز میں اتنی تاخیر کرے کہ جمعہ کی نماز سے امام فارغ ہو جائے اور اگر اتنی تاخیر نہ کرے تو مکروہ تنزیہی ہے۔

مسئلہ : تندرستی کے زمانے میں کچھ نمازیں قضا ہو گئی تھیں پھر بیمار ہو گیا تو بیماری کے زمانے میں جس طرح نماز پڑھنے کی قوت ہو اُن کی قضا پڑھے یہ انتظار نہ کرے کہ جب کھڑے ہونے کی قوت آئے تب پڑھوں یا جب بیٹھنے لگوں اور رکوع کرنے کی قوت آئے تب پڑھوں، بلکہ فوراً پڑھے دیر نہ کرے۔

مسئلہ : مریض کی جو نمازیں حالتِ مرض میں قضا ہو گئیں اُن کو جب صحت ہونے پر قضا کرے تو اِس طرح نماز پڑھے جیسے تندرست پڑھتے ہیں اور اگر اُس حالت کی طرح پڑھی جس حالت کی نماز فوت ہو گئی تھی مثلاً بیٹھ کر یا اشارہ سے تو نماز جائز نہ ہوگی۔ اور اگر صحت کی حالت میں کچھ نمازیں قضا ہو گئیں تھیں اور اُن کو بیماری کی حالت میں قضا کرتا ہے تو اِس طرح پڑھے جس پر اب قادر ہے یعنی بیٹھ کر یا اشارہ سے، نماز ہو جائے گی۔ اِس وقت صحت کی طرح پڑھنا واجب نہیں ہے (لہٰذا یہ انتظار نہ کرے کہ جب کھڑے ہونے کی طاقت آجائے گی جب پڑھوں گا یا جب بیٹھنے اور رکوع و سجود کرنے لگوں گا تب پڑھوں گا)۔ (جاری ہے)

ایک دلچسپ تفریحی مظاہرہ

﴿ بقلم عمر فاروق متعلم جامعہ مدنیہ جدید، درجہ سابعہ ﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جامعہ مدنیہ جدید میں عصر کی نماز کے بعد طلباء کرام جوڈو کراٹے اور مختلف جسمانی ورزشیں کرتے ہیں۔ گزشتہ ماہ کی ۱۸ر تاریخ کو طلباء نے باقاعدہ جسمانی کرتبوں کا مظاہرہ کیا، اس موقع پر اساتذہ کرام اور طلباء کی کثیر تعداد موجود تھی، مظاہرہ کی تفصیل نذرِ قارئین ہے۔

مسلم شریف کی روایت ہے کہ ''حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: طاقتور زیادہ بہتر اور زیادہ محبوب ہے اللہ کے نزدیک کمزور مسلمان سے اور ہر ایک میں بھلائی ہے اور اس چیز کی حرص کرو جو تمہیں (دینی) نفع پہنچائے اور اللہ سے مدد مانگو اور کم ہمتی نہ دکھاؤ'' (مسلم۔ ابن ماجہ۔ مسند احمد)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''حضور اکرم ﷺ اپنی دُعا میں فرمایا کرتے تھے۔ اے میرے پروردگار! میں آپ کی پناہ میں آتا ہوں کم ہمتی اور سستی سے اور آپ کی پناہ میں آتا ہوں بزدلی اور زیادہ بڑھاپے سے اور آپ کی پناہ میں آتا ہوں عذابِ قبر سے اور زندگی اور موت کے فتنہ سے''۔ (بخاری۔ مسلم)

اسلام نے رُوحانی ریاضت کے ساتھ ساتھ جسمانی ریاضت کی بھی تعلیم دی ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا دوڑ لگانا، تیراندازی کے مقابلوں میں شرکت کرنا، گھڑ سواری فرمانا اور کُشتی کرنا ثابت ہے۔ حضرت عمر فاروق ؓ اُچھل کر گھوڑے پر سوار ہوتے تھے۔ حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ دریا میں اُلٹی یعنی پانی کی مخالف سمت تیراکی کرتے تھے۔ علماء دیوبند میں ایسے بزرگ بھی گزرے ہیں جو قوت برداشت بڑھانے کے لیے جھلسا دینے والی تیز دھوپ میں مسجد کے گرم فرش پر چہل قدمی کرتے تھے۔ اسلاف کی انہی روایات اور اسلام کی نامور شخصیات کے کردار کو سامنے رکھتے ہوئے جامعہ مدنیہ جدید کی ایک مستعد جماعت نے (جس میں 300 طلباء کرام تھے) اپنے عصر کے بعد کے وقت کو جو کہ مدارس میں چھٹی کا وقت ہے جسمانی ورزش میں صرف کیا اور ان کی رہنمائی جماعت ثالثہ کے بھائی محمد اسماعیل نے کی۔ بھائی اسماعیل خود بھی بلیک بیلٹ (Black Belt) ہیں اور کراچی سے گولڈ میڈل حاصل کر چکے ہیں اور دوسرے رہنما ماسٹر انسٹرکٹر (Instructer) بھائی عبدالرؤف صاحب تھے جن کی

بہادری، اُولوالعزمی مُسلم ہے اور تیسرے بھائی محمد امجد تھے یہ موخرالذکر پہلے دو کے معاون تھے، اِن تین طالب علموں نے اپنے طلباء پر جو محنت کی وہ قابلِ دید ہے انہوں نے سات ماہ کے مختصر سے وقت میں جو طلبہ کو ٹریننگ دی ان کو مستعد کیا، ان کے اندر ایک نیا جذبہ نئی رُوح پھونکی وہ واقعی تحسین کے لائق ہے، اللہ ان کو جزائے خیر دے۔

ربیع الثانی کے اوائل میں جامعہ مدنیہ جدید میں ایک پروگرام کا انعقاد کیا گیا جس میں طلباء کرام نے جو کچھ سات ماہ میں ٹریننگ حاصل کی تھی اُسے احسن انداز میں پیش کیا۔ اس پروگرام میں شرکت کرنے والوں میں مدارس کے اربابِ اہتمام بھی تھے اور ناظمین بھی، مدرسین بھی تھے اور مفتیان کرام بھی، اصحابِ فکر ونظر بھی تھے اور اربابِ حل وعقد بھی، چیدہ چیدہ منتخب علماء بھی، پروفیشنل لوگ بھی، صحیح فکر صحیح جذبے والے صحافی بھی، اور صالح خیالات والے دانشور بھی، چمن کی آبیاری کرنے والے ماہر بھی اور رفاہی اداروں کو چلانے والے صاحبِ عزیمت بھی، ہم اب اپنے قارئین کو اِس پروگرام کا اجمالی منظر پیش کرتے ہیں۔

اس پروگرام میں مہمانِ خصوصی اُستاذِ محترم، علمی مجلسوں کی مشہور شخصیت، اور کئی علمی حوالوں سے معروف نامور عالم دین مولانا سیّد محمود میاں صاحب حفظہ اللہ اور حضرت اقدس ولی کامل مولانا محمد حسن صاحب دامت فیوضہم تھے۔ اِن دو بزرگوں کی سرپرستی میں اس پروگرام کا انعقاد کیا گیا۔ پروگرام کا آغاز تلاوت قرآن پاک سے ہوا، اس پروگرام میں نوجوانوں کو اٹھارہ گروپوں میں تقسیم کیا گیا تھا، ہر ایک گروپ نے آکر اپنا اپنا مخصوص فن دکھایا اور عوام الناس کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔

(۱) پہلا گروپ سب سے پہلے ہمارے ننھے منے کراٹے مین محمد معاویہ نے اپنے ساتھیوں انس خُدری اور گل رحمان کے ساتھ مل کر سٹریچنگ (Stretching) کا مظاہرہ اچھے انداز میں کیا۔ (۲) اس کے بعد کراٹے کی بنیادی ککس (kicks) کے لیے بھائی اسماعیل آئے۔ (۳) پہلی فائٹ (Fight) بھائی یٰسین اور نقیب کے درمیان ہوئی۔ (۴) اس کے بعد کاتا کے لیے بھائی امجد حسین آئے۔ (''کاتا'' خیالی فائٹ کو کہتے ہیں اس کی حیثیت اور مثال کراٹے میں ایسے ہے جیسے جسم کے لیے سر ہے)۔ (۵) فائٹ کے لیے عبیداللہ اور جنید آئے۔ (۶) فائٹ کے لیے نذر اور ظہور آئے۔ (۷) لاٹھی چلانے کی سنگل ضربِ حیدری کے لیے ندیم، یٰسین، حبیب اور قاری فضل الرحمٰن آئے۔ (۸) فائٹ کے لیے امیر نواز اور عبدالرحمٰن آئے۔ (۹) ٹائیگر جمپ کے لیے انسٹرکٹر بھائی اسماعیل آئے۔ (۱۰) شو فائٹ کے لیے شفقت بھائی اور عبدالدیان آئے۔ (۱۱) فائٹ کے لیے

رفیع اللہ، محمد حیات آئے۔(۱۲) لاٹھی کی فائٹ کے لیے ندیم، یٰسین، حبیب، قاری فضل الرحمٰن اور فائٹ کے لیے کاشف خان اور کاشف اظہر آئے۔(۱۳) ضربِ حیدری (آگ والی) کے لیے یٰسین، حبیب، ندیم، قاری فضل الرحمٰن اور فائٹ کے لیے آفاق اور ابوبکر آئے۔(۱۴) ہاتھ کی لاٹھی کے لیے عبیداللہ، اُسامہ، ظہور اور عزیز اللہ آئے (۱۵) باڈی کنڈیشننگ (Body Conditioning)(۱۶) (i) بریکنگ (Bricking) کے لیے بھائی اسماعیل آئے اور انہوں نے لوگوں کو حیران کر دیا۔(ii) پھر بھائی اسماعیل، بھائی شفقت اور امجد حسین آئے۔(iii) امجد حسین نے بریکنگ کا مظاہرہ کرتے ہوئے مٹکے توڑے۔(iv) بھائی اسماعیل پیٹ پر لاٹھی توڑنے کے لیے آئے۔(۱۷) گروپ فائٹ (Group fight)(۱۸) آخر میں ہمارے مہمان بھائی عبدالرؤف صاحب کو دعوت دی گئی۔ یہ لاٹھی کے بہترین کھلاڑی ہیں، انہوں نے بہت منفرد انداز میں اپنے فن کا مظاہرہ کیا۔ جو بھی ان طلبا کے کارناموں کو دیکھتا، حیران سے حیران تر ہوتا چلا جاتا کہ یارب ایسی چنگاری بھی اپنے خاکستر میں تھی۔

آخر میں حضرت اُستاذِ محترم پیر طریقت مولانا میاں محمود میاں صاحب دامت برکاتہم العالی نے اول، دوم، سوم آنے والے طلبا کو انعام دیئے۔ انعام پانے والوں میں اول نمبر بھائی یٰسین آئے، انہوں نے کپ، گولڈ میڈل (Gold Medal) اور تین سو روپے حاصل کیے۔ ان کے بعد دوم آنے والے بھائی نقیب اور اُسامہ نے گولڈ میڈل حاصل کیے۔ سوم آنے والے جنید نے گولڈ میڈل حاصل کیا۔

عبیداللہ اور نذر محمد کو ایک ایک کتاب انعام دی گئی۔ بھائی امجد اور بھائی آفاق نے بھی خصوصی انعام حاصل کیا۔ معاویہ، انس، گل رحمان، فضل الرحمان نے سو سو روپے انعام حاصل کیا، عزیز اللہ کو گولڈ میڈل ملا، ندیم نے ۲۵۰ روپے انعام حاصل کیے۔ آخر میں بھائی اسماعیل جو کہ ان طلبا کے ماسٹر تھے، مہتمم صاحب نے ان کو ۵۰۰ روپے اپنی طرف سے بطورِ انعام دیئے۔ اس کے علاوہ بھی طلبہ نے ڈھیروں انعامات وصول کیے۔ واقعی دلوں میں اخلاص اور کام میں لگن ہو تو فقیری میں بھی نام پیدا کیا جاسکتا ہے۔

اخبار الجامعہ

جامعہ مدنیہ جدید محمد آباد رائیونڈ روڈ لاہور

﴿ بقلم خالد عثمان متعلم جامعہ مدنیہ جدید ﴾

الحمدللہ میں اور انعام اللہ، حضرت اقدس مولانا سیّد محمود میاں صاحب کے ساتھ لاہور سے بروز پیر دِن کے بارہ بجے روانہ ہوئے۔ دوپہر چار بجے خوشاب قاری سعید احمد صاحب کے مدرسہ میں پہنچے، جو حضرت مولانا اسماعیل صاحبؒ کے فرزند ہیں۔ مدرسہ میں دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد عصر کی نماز ادا کی پھر خوشاب سے ڈیرہ اسماعیل خان روانہ ہوئے اور ڈیرہ اسماعیل خان رات ساڑھے گیارہ بجے حاجی غلام مصطفٰے صاحب کے گھر پہنچے، وہاں عشاء کی نماز ادا کرنے کے بعد کھانا کھایا اور اگلے دن منگل کو دن کے دس بجے ٹانک روانہ ہوئے، وہاں حکیم عطاء اللہ صاحب کے مطب پر گئے اور پھر جامعہ مدنیہ جدید کے طالب علم انعام اللہ کے گھر دوپہر کا کھانا کھایا اور ظہر کی نماز ادا کرنے کے بعد ٹانک میں مولانا قاضی حبیب اللہ صاحب (خطیب جامع مسجد بلال قضیانوالی) گئے، اُن کے گھر پر اور مسجد بلال میں کئی خواتین و حضرات نے حضرت اقدس مولانا سید محمود میاں صاحب سے بیعت کی۔ عصر کی نماز ادا کرنے کے بعد ٹانک سے واپس ڈیرہ اسماعیل خان کیلیے روانہ ہوئے۔

پھر سخت بارش کے باوجود حاجی غلام مصطفٰے صاحب کے گھر منگل کے دن عشاء کی نماز کے وقت پہنچ گئے اور بدھ کے روز لوگ حضرت سے ملنے اور ملاقات کے لیے آتے رہے اور اس سے فارغ ہونے کے بعد تین بجے ڈیرہ اسماعیل خان سے لنڈیواہ کے لیے روانہ ہوئے اور لنڈیواہ میں حاجی امان اللہ خان صاحب کے گھر رات گزاری اور رات کو مقامی مدرسہ رحمانیہ میں آدھا گھنٹہ بیان ہوا۔ اس بیان میں پورے علاقے کے علماء اور طلباء اور عوام کی کثیر تعداد نے شرکت کی اور لوگوں نے انتہائی محبت کی، اور پھر حضرت صاحب نے مدرسہ کی ترقی کے لیے دُعا بھی فرمائی۔ پھر جمعرات کے دن دس بجے جامعہ مدنیہ جدید کے طالب علم خالد عثمان کے گھر (ضلع کرک) روانہ ہوئے اور ساڑھے گیارہ بجے مدرسہ زینت القرآن پہنچے اور وہاں تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ ملاقات کے بعد مدرسہ زینت القرآن کے لیے اور تمام چھوٹوں بڑوں کے لیے دُعائیں فرمائیں۔ دن کا کھانا ضلع کرک (عیسیٰ خیل) میں حاجی شہباز خان صاحب کے گھر کھایا پھر وہاں سے دوبارہ لنڈیواہ گئے، پھر لنڈیواہ سے شام کو پشاور کے لیے روانہ

ہوئے اور رات کے بارہ بجے پہنچے اور جمعہ کے دن حیات آباد فیز فور میں جمعہ کی نماز سے پہلے جامع مسجد ''تکبیر'' میں بیان فرمایا جو انتہائی ایمانی اور اثر کرنے والا بیان تھا۔ جمعہ کی نماز کے بعد ہم جامعہ عثمانیہ میں حضرت مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب کے پاس گئے اور ساتھ ہی جامعہ عثمانیہ کی شاخ کا ماڈل بھی دکھایا گیا۔ جامعہ عثمانیہ کی لائبریری، دفتر مالیات، اُوپر کی منزلیں اور کمپیوٹر لیب بھی دیکھا اور قریب میں واقع مدرسۃ البنات بھی دیکھا اور دونوں مدرسہ کی ساری ترتیب بتلائی گئی۔ پھر جامعہ عثمانیہ سے لیڈی ریڈنگ ہسپتال بھی گئے، وہاں پر حضرت اقدس پیر خلیفہ غلام رسول صاحب مدظلہ کی تیمارداری کے لیے تشریف گئے۔ مصافحہ کے بعد حضرت اقدس نے خوب دُعائیں کیں۔ پھر نماز مغرب سے پہلے حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالدیان صاحب مدظلہ کی تیمارداری اور ملاقات کی غرض سے اُن کے گھر تشریف گئے جو حضرت مولانا مجاہد خان صاحب مدظلہ کے بھائی ہیں۔ بھائی خالد صاحب کی رہائش گاہ پر بعد نمازِ عشاء محترم ڈاکٹر ارشد تقویم صاحب کا کاخیل ملاقات کے لیے تشریف لائے۔ رات بھائی خالد صاحب کے ہاں گزاری۔ پھر ہفتہ کے دن تقریباً 11:30 بجے نوشہرہ روانہ ہوئے۔ وہاں ایک عزیز مرحوم سردار الوہاب صاحب کی وفات پر اُن کے اہلِ خانہ سے تعزیت کی، پھر نوشہرہ سے 12:15 بجے اسلام آباد روانہ ہوئے اور اسلام آباد میں مولانا عبداللہ صاحب کا کاخیلؒ کے گھر تقریباً 4:30 بجے پہنچے، وہاں دن کا کھانا کھایا، عصر کی نماز ادا کرنے کے بعد اسلام آباد سے واپس لاہور کی طرف روانہ ہوئے اور رات کے 12:00 بجے بخیریت لاہور پہنچے۔ بہت برکت والا سفر تھا، اللہ تعالیٰ ہمیشہ دین کی عالیشان محنت اور اپنے اکابر بزرگ اور اساتذہ کی عزت واحترام کی توفیق عطا فرمائے۔

۳ رمئی کو حضرت مولانا سید محمود میاں صاحب جناب سیّد مشکور احمد صاحب گیلانی کی ہمشیرہ صاحبہ کی تعزیت کے لیے سیالکوٹ تشریف لے گئے۔ مرحومہ نور احمد صاحب گیلانی کی پھوپھی ہوتی تھیں۔

۹ رمئی کو بعد مغرب جناب محمد اعظم پاشا صاحب کی برمنگھم انگلینڈ سے تشریف آوری ہوئی، حضرت مہتمم صاحب سے جامعہ مدنیہ جدید کے احوال پر گفتگو ہوئی اور کچھ دیر قیام کے بعد واپس تشریف لے گئے۔

۱۳ رمئی کو عصر کے وقت بوٹسوانا افریقہ سے جناب محمد علی صاحب شمسی اور اُن کے بھائی جناب محمد یوسف صاحب شمسی تشریف لائے، حضرت مہتمم صاحب سے مختلف اُمور پر گفتگو ہوئی، بعد ازاں واپس تشریف لے گئے۔

۱۷ رمئی کو جامعہ مدنیہ جدید کی چہار دیواری مکمل ہوئی، والحمد للہ۔ اس چہار دیواری کا آغاز ۲۴ رنومبر

۲۰۰۴ء میں ہوا تھا، اس طرح اسکی تعمیر پر کل ۵ ماہ ۲۳ دن صرف ہوئے۔ دیوار کی کل لمبائی تقریباً ساڑھے پانچ ہزار فٹ (5500ft) ہے اور زمین سے اس کی بلندی 9 فٹ ہے۔

۞۞۞

وفیات

یکم مئی کو محترم سیّد اظہار احمد صاحب گیلانی کی اہلیہ مرحومہ، سیّد مشکور احمد صاحب گیلانی کی ہمشیرہ اور نور احمد صاحب گیلانی کی پھوپی صاحبہ طویل علالت کے بعد انتقال کر گئیں انا للّٰہ وانا الیہ راجعون. مرحومہ بہت نیک دل اور بے ضرر خاتون تھیں، ہر کسی کے ساتھ خیر خواہی اُن کے مزاج کا حصہ تھا۔ اہلِ ادارہ اس صدمہ کے موقع پر اہلِ خانہ کے غم میں برابر کے شریک ہیں اور دُعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ مرحومہ کی مغفرت فرما کر جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور اُن کے پسماندگان کو صبرِ جمیل کی توفیق نصیب ہو۔

۞

۲ رمئی کو جناب ایاز محمود صاحب کی اہلیہ محترمہ طویل علالت کے بعد انتقال فرما گئیں انا للّٰہ وانا الیہ راجعون. مرحومہ نیک دل، صابر و شاکر خاتون تھیں، اللہ تعالیٰ مرحومہ کی مغفرت فرما کر جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل کی توفیق نصیب ہو۔ آمین۔

۞

۴ رمئی کو جامعہ مدنیہ کے مدرس قاری سعید احمد صاحب کی والدۂ محترمہ سرطان کے مرض کے باعث وفات پا گئیں انا للّٰہ وانا الیہ راجعون. مرحومہ کی وفات اہل خانہ کے لیے بہت بڑا حادثہ ہے۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل کی توفیق نصیب ہو۔ آمین۔

جامعہ مدنیہ جدید اور خانقاہ حامدیہ میں جملہ مرحومین کے لیے ایصالِ ثواب اور دُعائے مغفرت کرائی گئی۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں۔ آمین۔